

عشق بیلائے سول سروں لے اس مجنون کو
اتنا دوڑایا ننگوٹی کمر دیا پتلون کو
اگر

سراب فیش

یعنی

ایک یورپین تہذیب کے دلدادہ کی پروردستان عشق و
حسن کا معاملہ موجودہ تعلیم اور کاروبار تجارت کا موازنہ۔ اکل حلال
کی فضیلت اور تقلید اغیار کا عبرت ناک نتیجہ و پچسپانہ زمین بھایا گیا
مرزا عباس بیگ صاحب محترم صنف خوبصورت ناگن۔ ڈراما وغیرہ

حسب فرمائش

نینچر صدیق بکڈپو۔ امین آباد لکھنؤ

صدی پریس نظیر آباد لکھنؤ میں چھپا

قیمت ۸

۶۱۹۲۱

بار اول ۱۰۰۰ جلد

حیرت انگیز شہر

ایک نوجوان سادہ دل کا ایک حسینہ کے دام محبت میں گرفتار ہونا صد ہا مصائب کا سامنا کر کے آخر کو ہر مقصود کو بالینا یعنی طور سے بہت سے دلچسپ واقعات آگئے ہیں جو بذات خود ایک وزن رکھتے ہیں مزدور و نادر سرمایہ داروں کی کشمکش خود غرض پارٹیوں کی خود غرضی اور مزدور طبقہ کے ہنگاموں سے ملک کی تباہی عجیب و غریب حیرت انگیز واقعات مختلف جماعتوں کے لیڈروں کا دلچسپ مکالمہ زبان اعلیٰ درجہ کی۔ اگر قعدہ سے قطع نظر سی جائے تاہم ادبی حیثیت سے کتاب دیکھنے کے قابل ہے۔ لکھائی چھپائی نفیس قیمت ۸

عروس مصر

جرجی زید ادا ڈیٹر اللہ مصر کے ایک معرکتہ آرا ناول کا ترجمہ سید ظہور احمد ندوی کے قلم سے۔ بہت ہی دلچسپ قصہ ہے۔ زبان قابل قدر اور انداز بیان دل فریب اس ناول میں صد ہا تاریخی واقعات کو رد و شنی میں لایا گیا ہے۔ مصر کے عیسائیوں اور مسلمانوں کے تعلقات۔ رسم و رواج اور سیاسی حالات پر بھی ریوشتی پڑتی ہے۔ حسن کی کشمکش اور جذبات محبت کے ہوبہو فوٹو کھینچے گئے ہیں۔ قیمت ۸

طواف زمین

جولیس ورن۔ مشہور ناول نویس کے جغرافیائی ناول کا ترجمہ۔ ارشد تنہا نوی کے قلم سے جو دل آویزی اور زبان کے اعتبار سے قابل دید ہے۔ ایک یورپین بازی لگا کر اتنی دن میں تمام دنیا کے گرد گھوم آتا ہے۔ اس سفر میں اسے جو عجائب و غرائب دیکھے سب اس کتاب میں ناول کے پیرایہ میں درج ہیں۔ لکھائی چھپائی نفیس قیمت ۸

آثار ساجھی

بھوبال کے قریب ساجھی نامی ایک تاریخی مشہور مقام جو وہاں کے مناظر جید و فریب میں بعض شکست

عشق یلے سول سروس سے اس مجنوں کو
اتنا دھڑا اٹھوئی کرویا پستان کو

راکبر

عشق

چرخ
چرخ
چرخ

ایک پونہ تہذیب کے دلدادہ کی پروردگارستان عشق جن کا سالہ موج وہ تھیں اور کار و بار تجارت
کا موازنہ۔ اہل حلال کی فضیلت اور تقیید غبار کا جوت تک پہنچ چکے تھے انہیں دیکھ کر
مرد عباس بیگ صاحب عشرت حضرت خواجہ صورت ناک۔ ڈراما نویس۔
نویسندہ کے لیے۔ اس آباؤ کے
سندھی ہیں نظر آباؤ کے تھے
حلال

پہلا باب

نواب یوسف علی خاں، مراد آباد کے ایک مشہور رئیس ہیں۔ ان کے دو صاحبزادے ہیں۔ بڑے بڑے کے نے اس سال انٹرنس پاس کیا ہے اور چھوٹا لڑکا چھٹے درجے میں تعلیم پا رہا ہے۔ آج نواب کے ایک پرانے دوست احمد حسین خاں ان کی ملاقات کو دہلی گئے آئے ہیں۔ دن کے چار بجے ہوں گے مردانہ نشست گاہ میں

نواب کے خاص احباب جمع ہیں اور جاؤ کا دور چل رہا ہے۔
حسن علی۔ جناب میں تو کہتا ہوں شک پر نے شاعری کا خاتمہ کر دیا۔ انگلستان کیا تمام دنیا میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

اسحاق۔ اس میں بہت بڑا کمال تو یہ ہے کہ جیسے ٹریجڈی لکھتا ہے ویسی ہی کامیڈی یوسف۔ سچان اسٹڈیا ریزورٹ ٹیکل ہے۔ اور کیسی جذبات کی مصوری کرتا ہے مجھے اس کے اکثر ڈرامے سچے نہیں۔ خصوصاً اہلیٹ اور میکہ۔ شاید یہ کہنا کچھ مبالعہ نہیں ہے کہ انھیں دو ڈراموں نے اُسے دنیا کا بہترین شاعر بنا دیا۔

اسحاق۔ شکسپیر تو شاہ پری ہے۔ ملٹن۔ ٹے نیس۔ بائرن۔ پوپ۔ کوپر۔ ڈرٹس ورثہ۔ ساؤڈی اور شیلی۔ انھوں نے شاعری کا کم حق ادا نہیں کیا۔ دانش انھیں بڑھ کر اپنی اردو فارسی شاعری پر افسوس آتا ہے۔ اور شرم معلوم ہوتی ہے کہ ایشائین شاعری کی جیسی سچی خراب ہوئی۔

حسن علی۔ صحیح ہے۔ ایشائی شاعری میں سوائے جھوٹا کے طومار، فتوشیم اور استعارات، حسن و عشق کے جو نچلوں گے اور رکھا گیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مشرق نے سمجھا ہی نہیں کہ حقیقتاً شاعری کیا شے ہے۔

احمد حسین خاں۔ حدالک پناہ۔ دانش دوم گھر آگیا۔ آپ حضرات نے بھی تقریباً اور مدت کا خاتمہ کر دیا۔ ایشائی شاعری سے معاملہ کو توڑا کرتے ہیں، لیکن اپنی عقل کے مبالعہ پر غور نہیں کرتے۔

اسحاق۔ کیا ہماری گفتگو میں کچھ مبالعہ ہے۔

احمد حسین۔ حقول یکجا! جناب سر اسر مبالعہ۔

اسحاق - خیر مبالغہ ہی سہی - ذرا ہرمانی فرما کر مجھے یہ تو تادیجئے کہ شاعری کی قرین کیا ہے۔

احمد حسین - جذبات یا واقعات کو الفاظ کی صورت میں اس طرح بیان کرنا کہ سننے والا اس کیفیت کو محسوس کر سکے جو ناظرین پر ظاہری چوٹی تھی۔

اسحاق - کیا فارسی یا اردو شاعری میں اسکا لحاظ رکھا گیا ہے۔

احمد حسین - پہلے میں فارسی شاعری دیکھتا ہوں۔ محض کچھ کچھ لکھا گیا ہے۔ اس پر اسے یہ سوال کروں کہ اساتذہ فارس کے کلام دیکھنے کا آپ کو بھی اتفاق ہوا ہے۔

لیونکہ اب تک مجھے جتنے بزرگ ایسے سے چھوئے ہیں مغربی شاعری و ادبیاتی تدریسی سے اھنیل اور برتر ٹھرایا، خیر سے ایک تو بھی سوائے ان چند معمولی اشعار کے جنکو کسٹمی شاعرانہ علمائے جمہور نے کورس کی صورت میں چھاپ دیا ہے۔

مشرقی شاعری کے مطالعہ کی نوبت نہیں آئی۔ پھر وہ حالت بھی ہے کہ مشرقی شاعری کیا ہے۔ خدا کے فضل سے آپ سب صاحب انگریزی زمانے

بجوبی آشنا ہیں اور اُسکے علم ادب کا اچھی طرح مطالعہ کر چکے ہیں۔

ذرا مجھے بتائیے تو فارسی علم ادب کی آپ نے تہی کتابیں دیکھی ہیں۔

اسحاق - ہاں ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ فارسی دیکھنے کا استفادہ موقع نہیں ملا، جقدر انگریزی کہا۔

احمد حسین - جناب یہ نہ فرمائیے بلکہ یہ بتائیے کہ ہم نے فارسی کا ادب صرف بھی نہیں دیکھا ہے۔ ہاں اگر آپ اس مختصر اور ساتھ ہی ساتھ مہمل کتاب

کو جو سیرتِ تعلیم نے فارسی دانی کے لئے ضروری خیال کیا ہے۔ کافی سمجھتے ہوں، تو اس خوش فہمی کا کوئی علاج نہیں۔

اسحاق - اگرچہ فارسی دیکھنے کا کم اتفاق ہوا۔ لیکن انگریزی علم ادب کے مطالعہ نے ہمیں یہ بتا دیا کہ شاعری کا اہم خیال کیا ہے۔

احمد حسین - میں نے آپ کی یہ فطرت سے تسلیم کر لی۔ اچھا پھر اسحاق - پھر کیا۔

احمد حسین - لیکن آپ نے اس اعتبار سے فارسی شاعری کو جاننا۔

پہلا باب

نواب یوسف علی خاں، مراد آباد کے ایک مشہور رئیس ہیں۔ ان کے دو صاحبزادے ہیں۔ بڑے بڑے کے نے اس سال انٹرنس پاس کیا ہے، اور چھوٹا بڑا کا چھٹے درجے میں تعلیم پا رہا ہے۔ آج نواب کے ایک پرانے دوست احمد حسین خاں ان کی ملاقات کو دہلی گئے آئے ہیں۔ دن کے چار بجے ہوں گے مردانی نشست گاہ میں نواب کے خاص احباب جمع ہیں اور جاہ کا دور چل رہا ہے۔

حسن علی۔ جناب میں تو کہتا ہوں شک پر نے شاعری کا خاتمہ کر دیا۔ انگلستان کیا تمام دنیا میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

اسحاق۔ اس میں بہت بڑا کمال تو یہ ہے کہ جیسے ٹریجڈی لکھتا ہے ویسی ہی کامیابی یوسف۔ سچان لائڈ کیا ریزورٹیل ہے۔ اور کیسی جذبات کی مصوری کرتا ہے مجھے اس کے اکثر ڈرامے عجب پسند ہیں۔ خصوصاً اہلیٹ اور میکہ۔ شاید یہ کہنا کچھ مبالعہ نہیں ہے کہ انھیں دو ڈراموں نے اُسے دنیا کا بہترین شاعر بنا دیا۔

اسحاق۔ شک پر تو شاعر ہی ہے۔ ملٹن۔ ٹینیس۔ بائرن۔ پوپ۔ کوپر۔ وارڈس ورڈ۔ ساؤڈی اور شیلی۔ انھوں نے شاعری کا کم حق ادا نہیں کیا۔ دانش انھیں بڑھ کر اپنی آرم و فارمی شاعری پر افسوس آتا ہے۔ اور شرم معلوم ہوتی ہے کہ ایشائین شاعری کی کیسی بھی خراب ہوئی۔

حسن علی۔ صبح ہے۔ ایشائی شاعری میں سوائے جھوٹ کے طومار، فو تشبیہ اور استعارات یا حسن و عشق کے چوچلیوں کے اور رکھا گیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مشرق نے کبھی بھی اس حقیقت کو ہی کیا ہے۔

احمد حسین خاں۔ حد کی مینا۔ دانش دوم گھر آگیا۔ آپ حضرات نے بھی تعریف اور مدحت کا خاتمہ کر دیا۔ ایشائی شاعری سے مبالعہ کو تو بڑا کوشش ہے، لیکن اپنی فکر کے مبالعہ پر غور نہیں کرتے۔

اسحاق۔ کیا جاری گفتگو میں کچھ مبالعہ ہے۔

احمد حسین۔ مقول یہ کہ! جناب سر اسر مبالعہ۔

اسحاق - خیر مبالغہ ہی سہی - ذرا حیرانی فرما کر مجھے یہ تو تادیجئے کہ شاعری کی تعریف کیا ہے۔

احمد حسین - جذبات و واقعات کو ایسا دکھانے کی صورت میں اس طرح بیان کرنا کہ سننے والا اس کیفیت کو محسوس کر سکے جو ناظرین پر ظاہری چوٹی تھی۔ اسحاق - کیا فارسی یا اردو شاعری میں اسکا لحاظ رکھا گیا ہے۔

احمد حسین - پہلے میں فارسی شاعری کو لیتا ہوں۔ محض دیکھنے کا - میں آپ سے یہ سوال کروں کہ اساتذہ فاضل کے کلام دیکھنے کا آپ کو بھی اتفاق ہوا ہے۔

لیونڈل ایک مجھے جتنے بزرگ ایسے سے جھوں گے مغربی شاعری کو ادیشی شاعری سے اچھیل اور برتر ٹھہرایا، خیر سے ایک کو بھی سوائے ان حید معمولی اشعار کے جنگو کستی شمس العلماء نے جمع کر کے گورنر کی صورت میں بھجوا دیا ہے۔ مشرقی شاعری کے مطالعہ کی نوبت نہیں آئی۔ چودہ سال تک سمجھیں گے کہ مشرقی شاعری کیا ہے۔ خدا کے فضل سے آپ سب صاحب انگریزی زبان سے بخوبی آشنا ہیں اور اُس کے علم ادب کا اچھی طرح مطالعہ کر چکے ہیں۔

ذرا مجھے بتائیے تو فارسی علم ادب کی آپ نے تہی کتابیں دیکھی ہیں۔ اسحاق - ہاں ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ فارسی دیکھنے کا اس قدر موقع نہیں ملا، جقدر انگریزی ملا۔

احمد حسین - جناب یہ نہ فرمائیے بلکہ یہ بتائیے کہ ہم نے فارسی کا ایک حرف بھی نہیں دیکھا ہے۔ ہاں اگر آپ اس مختصر اور ساتھ ہی ساتھ مہمل کتاب کو جو شمس العلماء نے فارسی دانی کے لئے ضروری خیال کیا ہے۔ کافی سمجھتے ہوں، تو اس خوش فہمی کا کوئی علاج نہیں۔

اسحاق - اگرچہ فارسی دیکھنے کا کم اتفاق ہوا۔ لیکن انگریزی علم ادب کے مطالعہ نے ہمیں یہ بتا دیا کہ شاعری کا کیا مقام ہے۔

احمد حسین - میں نے آپ کی یہ طعن آپ کی خاطر سے تسلیم کر لی۔ اچھا پھر اسحاق - پھر کیا۔

احمد حسین - دیکھئے آپ نے اُس مقام سے فارسی شاعری کو جانچا۔

اسحاق - جی ہاں۔
 احمد حسین - فارسی شاعری سے مراد وہی گورس کے متعلق اشارہ ہے جو یوں کہتا ہے
 اسحاق - اچھا یہی سہی
 احمد حسین - جناب وہ فارسی شاعری ہے تو ضرور لیکن اس سے تمام شاعری
 کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ جیسے ہومر کا فردوسی سے، شکسپیر
 اور ملٹن کا سعدی سے۔ انا کرین - اور ٹینن کا حکیم قاضی سے اور دردمین
 کا بخی سے، مقابلہ کیجئے۔ اسوقت آپ کی سمجھ میں آئے گا کہ فارسی شاعری
 کیا ہے۔ آپ لوگوں کا یہ اعتراض کہ ایشیائی نام شاعری میں عشق و محبت کا عنصر
 زیادہ ہو گیا ہے صحیح ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شاعری کا اکھلاؤ صرف انسانی جذبات
 پر ہے۔ جس قوم میں جو جذبہ زیادہ ہوگا۔ اسی کی شاعری
 میں زیادہ جھلک ہوگی۔ ایشیائے وسط کیست دنیا کی، دردمینوں کے جذبہ
 عشق و محبت سے زیادہ بہرہ ور ہیں۔ اعلیٰ شاعری میں یہی عنصر غالب
 آگیا۔ مگر آپ یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ ان کی نام شاعری صرف اسی جذبہ
 سے بھری ہوئی ہے۔ وہ اوقات عالم اور منظرِ وقت پر مبنی فحشوں نے
 کم نہیں لکھا ہے۔ اور جو کچھ لکھا ہے وہ مغربی شاعری سے جس نے
 زیادہ تر اسی شاخ میں ترقی کی ہے اس سے کچھ کم نہیں ہے۔
 محمد حسن علی - خیر فارسی شاعری تو بھر ہے بھی۔ مگر اردو شاعری تو بوجہ غور ہو گئی
 احمد حسین - اسے بھی آپ حضرات نے کبھی ملاحظہ نہیں فرمایا ہے، ادھر اردو ہر
 کے چند عام اشعار سکر رائے قائم کر لی۔
 میرا تیس کو پڑھئے، پھر آپ شکسپیر کی غلامی سے انکی غلامی زیادہ باعثِ فخر
 سمجھیں گے۔ شکسپیر کیا۔ میرا تیس ہومر، ملٹن، اور شکسپیر کا مجموعہ ہیں۔
 جن اوصاف نے ہومر کو ہومر، ملٹن کو ملٹن، اور شکسپیر کو شکسپیر بنا دیا وہ
 اردو کے صرف ایک میرا تیس میں جمع ہیں۔ میرا تیس کی ٹیمپلٹی "سودا
 کی کامیڈی"۔ غالب کا فلسفہ حسن و خجل اور طرزِ بیان، مومن کا درد،
 آتش کا عشق اور نظیر اکبر آبادی کی پچھل شاعری کے سامنے مغرب کا ہر

وصف شاعر مار کر کھڑا کر دیکھتے۔ پھر ہمارا ذمہ اگر آئے باغ و تہکست نصیب نہ ہو۔ بھائی جان ہم نے عیدوں کے چھوٹے میں آنکھیں کھولی ہیں۔ اور وہی تھاری نیا ہے۔ آج ہم سین اور بار کے کے فلسفے کے مباح ہیں۔ کونکہ ہمیں خبر ہی نہیں ہے کہ سجدی بھی فلسفی تھا۔ اور سدرجہ کا فلسفی تھا۔ آہ اُس قوم سے بڑھ کر یہ نصیب ہم اور کون ہو سکتی ہے جس نے اپنے بزرگوں کے نام اور اوصاف تک بھلا دیئے ہوں۔ خدا ہی ہنسا کے تو سنبھلے۔

وصف کا چھوٹا لڑکا حسن مرزا ایک چھوٹی کتاب لئے کمرے میں داخل ہو کر بک جو جاک جھٹک کے تسلیم کرتا ہے۔

یوسف (مذاکر) یوں کہیے آئے۔

حسن۔ ابا جان کتاب کا ورق کھولنا عبارت لگی سے بتا کر، یہ سمجھ میں نہیں آتا۔

یوسف صاحب نے زبانی یاد کر کے کو کہا ہے۔

یوسف (تجسس) اسے زبانی یاد کر کے کو کہا ہے! یہ نو سطر ہیں۔ اور پھر زبانی یاد کرنا سے فائدہ۔

حسن۔ انھوں نے سرخ روشنائی سے نشانات بنا دیئے ہیں۔ یہ سب یاد کرنا ہو گا احمد حسین۔ یہ کیا چیز۔

یوسف۔ جیا لونی (جزا فیہ) ہے

احمد حسین۔ اول تو یہی غضب ہے کہ ان بچوں کو انگریزی میں جزا فیہ پڑایا جاتا ہے بھلا وہ خاک بھیجیں گے۔ اسپر طرہ یہ کہ بر زبان کیجئے۔ تاکہ دلی غارت بن بیٹا ہو جائے۔

احمد حسین۔ اگلے کا نظام نظم و ضبط خراب ہو رہا ہے کہ قابل بیان نہیں یہ تو خودشی کی قابلیت ہے۔

اکہ وہ کورس مقرر کرتے وقت دیکھنا کہ لفظ ضروری نہیں سمجھتی کہ جن چیزوں کیلئے یہ

کورس مقرر کیا جا رہا ہے اول کا کیا حشر ہو گا۔ آیا وہ امتحان دینے کے وقت تک

صحیح الہام بھی رہیں گے۔ یا نہیں۔ خیر شروع میں تو دلی غارت ہو چکا ہے۔

اس کے بعد کہ اس وقت میں اگر قسموں سے بھیجی گئے تو پھر پوری ثابت آجاتی ہے

بتنا حساب خلق خدا کی قسمت میں ہے وہ صرف ان چیزوں کی تقدیر میں نہ رہتی

ٹھوس دیا جاتا ہے۔ حساب بھی وہ جس کی خدا کے فضل سے دنیا میں تو بھی ضرور

نہیں بڑی اس کے بڑھنے تو ہٹری جیا گرائی کی بلا موجود ہے۔ دنیا کے چہ
 چہ کا نام رشتے سمندر میں غوطے کھائے۔ جہر دس کی خاک اڑا ہے
 فلاں بادشاہ فلاں سنہ میں مرا۔ فلاں لڑائی فلاں سنہ میں واقع
 غرضیکہ اس کے آفرینش سے زمانہ موجودہ تک کا کوئی واقعہ فراموش
 نہ کیجئے۔ کوئی ان حضرات سے پوچھے کہ اس تسلیم کا نتیجہ کیا ہے۔ اگر پھر
 معلوم ہو گیا کہ زمین گول ہے، کا ٹکڑا امریکہ میں ہوتا ہے کوہ یورال یورپ اور اسی
 کو الگ کرتا ہے۔ یانی بیت کی تفسیر فلاں سنہ میں ہوئی تو فائدہ کیا ہوا
 کیا یہ نامکمل تھا کہ فایز تحصیل ہونے کے بعد ہم ان معلومات کو بطور تقریر
 حاصل کر لیتے۔ اصل تسلیم انگریزی زبان دانی کی ہوئی چاہئے۔ جو خاص چیز ہے ا
 جس کی حقیقت ضرورت پڑتی ہے۔ اگر وہی مفقود۔ وہاں بتایا گیا ہے کہ ایک
 بلی نے ایک اندھے چوہے کو جب کے وہ رات کے وقت بل کے پاس تھا پکڑ
 ان کی معلومات ملی گئے، تو ہٹری سے زیادہ بڑھنے نہیں پائی۔ ایک معمولی
 گھنے کو گھنے تو بغلیں جھانسنے لگتے ہیں یہیں تک مصیبتوں کا خاتمہ نہیں ہو جا
 کیونکہ اب وہ سخت زمانہ آجاتا ہے جسے امتحان کہتے ہیں۔

ہمارے ہمدرد بھی خواہ اور ہموطن بھائی اس وقت سرتک نگار ہوا بھی پس
 نہیں کر لے، وہ وہ ہاتھ لگاتے ہیں کہ ذرا سے اشارے میں سرگردن جدا۔ ہمتی
 کے پرچہ وہ لیے لیے جو شکل سے چاکھٹوں کی مسلسل کوشش میں غائب
 ہو سکتے۔ لیکن ان کے نئے وقت چھی اڑ پائی پاٹری غیاضی کی تو بین گھٹے۔
 سوالوں کی ترتیب ایسی کہ شروع سے آخر تک غریبوں کی سمجھ میں ایک نہ آئے
 یہ نہیں کہ کچھ سہل ہوں کچھ مشکل اور اگر خدا نخواستہ غلطی سے کوئی سہل سوال
 آخر سے ٹپک پڑا تو اس کے آخر میں کوئی ایسی دم ضرور جوڑ دی کہ کھٹے ویرچہ
 گھٹے کی سخت سب ضائع ہو جائے۔ اب اگر کسی سخت جان نے مرکب کر چ
 سوال کر لئے تو اس سے دوسرا مصالحو موجود لینے پاس کر نیے کے غیر شرمین
 کہاں تک یا نیگا۔ اور اگر کوئی حسن اتفاق سے یہاں تک بھی پہنچ گیا۔ تو فور
 دوسرا ہاتھ لگا دیا کہ ہر چیز میں ملک ملک پاس کرو۔ پلٹے اب نہ بتایا تو خاتمہ

ہو گیا۔ ان تمام معنیوں کو جھیل کر اگر نفل بھی گئے تو ایگریٹ کی شق موجود ہے
اس میں بھی اگر کامیابی ہوئی تو دہلی قوت آنکھوں کی روشنی، دماغ کی طاقت و دولت
اور وقت سب تحقیر جانے کے بعد ایک کاغذ کا ٹکڑا مل گیا۔ اور پس ہو گئے
تو سب کچھ کھو یا اور کچھ نہ پایا۔ دور کیوں جائے آج سے تیس برس پہلے
نظام تعلیم کیسا تھا۔ آخر آپ لوگوں نے بھی تو ڈگریاں حاصل کی ہیں۔
کیا اس زمانے میں بھی ایسی سختیاں تھیں۔ کیا ایسے ہی کورس پڑھائے جاتے
تھے۔ کیا انٹرنس میں اتنا ہی حساب تھا۔ جتنی آجکل ہے۔ کیا ایسے ہی
سوالات پوچھے جاتے تھے اور تعلیم حاصل کرنے کیلئے آجکل کی طرح دولت
اور صحت کی قربانی کرنا پڑتی تھی۔

اسحاق :- اس میں شک نہیں کہ یونیورسٹیاں بہت زیادہ قابل اصلاح
ہیں۔ اور حضور صا الہ آباد کی فاضل یونیورسٹی ایک نیا قانون جو آجکل
ہوا ہے جناب نے دیکھا ہو گا۔

احمد حسین :- ہاں دہلی فیس والا۔ یعنی اگر کسی درجے میں لڑکا فیل ہو جائے
تو اس سے ڈبل فیس لیجائے گی۔

اسحاق :- جی ہاں۔ اب اسکا نتیجہ ہے کہ ہزاروں غریب بچہ و بچہ
چھوڑ دیں گے۔ اب خیال فرمائیں انٹرنس کی چار روپیہ ماہوار فیس ہے
اب ان سختیوں پر غریب خیل تو ڈبل فیس کیا سنے ڈنگا۔

یوسف :- ان تمام سختیوں کا مطلب یہ ہے کہ لوگ تعلیم حاصل نہ کریں۔
انجو حسین :- اگر ایسا ہو تو بہت بھتر ہے۔ کیونکہ لوگ معمولی طور پر پڑھ
لکھ کر اپنے آبائی پیشے اور صنعت و حرفت سے لگیں گے۔ اس میں تو کڑی
سے کہیں ایچے رہیں گے۔

یوسف :- لیکن اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر سگے تو نہ انھیں وہ
عزت ملے گی نہ سرکاری نوکریاں حاصل کر سکیں گے۔

احمد حسین :- افسوس مجھے کس قدر غلط سمجھا ہے۔ دلشد میں سچ کہتا
ہوں کہ اگر ایک جو لاہر نہ ہو تو میں کپڑے نصیب نہیں ہو سکتے۔

ایک کسان نہ ہو تو بھوکے مر جائیں۔ لیکن اگر آج ایک گریجو بیٹ یا انٹر میڈیٹس نہ ہو تو کوئی کام نہیں کر سکتا۔ قومی عزت اور وقار کے لئے پہلے دولت کی ضرورت ہے پھر تعلیم کی۔ دولت ہی سے تعلیم حاصل کیا سکتی اور اسے عمدہ معرّف لگایا جاسکتا ہے۔ ایسی تعلیم سے جسکا خاتمہ عثمانی پر ہو۔ لاکھوں درجہ جہالت اچھی بشرطیکہ اس میں آزاد دی ہو۔

محسن علی۔ مگر جناب معاف کیجئے گا۔ تجارت کو نوکری پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ درست ہے آج کل نئی روشنی دالوں کا یہی خیال ہے۔ جب کسی قوم کا زوال شروع ہوتا ہے تو عقل پہلے ہی سلب ہو جاتی ہے۔ ہاں جناب نوکری میں کون سا رخاں کے ہوں۔

محسن علی۔ نوکری سے پہلے قومائی نقصان کا اندیشہ جاتا رہتا۔ مثلاً میں نے ایک شخص سے سو روپیہ لگا کر کوئی تجارت شروع کی۔ لیکن آخر میں گھٹا اگیا چلے رہی تھی پوچھی بھی گھڑی ضائع ہوئی۔ اب اگر نوکری ہے تو اس میں ایک مقررہ خواہ ناہ باہ تھی رہی۔ اس میں کوئی کا اندیشہ نہیں۔ یہ تو میں نے ادلے نوکری ذکر کیا۔ اب اعلیٰ نوکری کی طرف آئے۔ کیا ایک ڈپٹی کلرک سے زیادہ معزز ایک سوداگر سمجھا جاسکتا ہے۔ ناگن ہے۔

احمد حسین۔ اچھی خلق ہے۔ خدا آپ حضرات کے دماغ پر رحم فرمائے۔ بندہ خدا جس طرح محسن نفع اور نقصان کی امید رکھتا ہے۔ کیا نوکری میں کوئی دغدغہ نہیں۔ تجارت میں اگر غلطی ہو گئی تو زیادہ سے زیادہ مالی نقصان ہو جاتا ہے۔ لیکن نوکری میں اگر ذرا بھی جوئے تو نہ پھر عزت سلامت ہے نہ دولت۔ قدم قدم پر جہل اور ضابطہ فوجداری کا خوف۔ دوسرا فقرہ نوکری میں یہ ہے کہ انسان اپنی قسمت کو چند چاندی کے ٹکڑوں کے ساتھ عمر بھر بیچ ڈالتا ہے۔ حالانکہ تجارت میں یہ بات نہیں ہے۔ بہت کم ہے کہ آپ ایک معمولی پھیری کر کے نیچے والے سے چند ہی روز میں مل کر ہو جائیں۔ یہ کوئی خیالی گپ نہیں ہے۔ بلکہ مثالیں موجود ہیں۔

آپ حضرات کوئی جاہل نہیں ہیں جنہیں زیادہ سمجھانے کی ضرورت ہو۔ اگر تھوڑا سا بھی غور کریں تو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ خود ہمارے گورنمنٹ بھی ہیں قدم قدم پر بتا رہی ہے کہ اگر تم ترقی کے آسمان پر سوچ بن کر چلنا چاہتے ہو تو تجارت کرو اور صنعت و حرفت کیو ہم نہ سمجھیں یہ ہماری عقلمندی ہے۔ آئی ڈی کلکٹر والی مثال بھی خوب ہے۔ آپ فقط معزز کا مفہوم نہیں سمجھئے سیامعزز اسے نہیں کہتے ہیں جسکی ڈر خوف یا اوپر کے دل سے تعظیم و تکریم کی جائے۔ بلکہ سیامعزز وہ ہے جسکی دات سے باوجود اسکے کہ کسی کو کوئی خوف نہیں۔ لیکن پھر اس کی تعظیم و تکریم کیجاتی ہے۔ ایک ڈیٹی کلکٹر کو لوگ صرف اسکی وجہ سے معزز خیال کرتے ہیں کہ بھائی خاکم ہے۔ کیس مارا من ہو گیا تو خدا جاکے کیا آفتیں برپا کرے گا۔ لیکن ایک تاجر کی عزت بے لوث کیجاتی ہے۔ گورنمنٹ سے بھی ڈیٹی کلکٹروں کو ایسے خطاب نہیں ملے جیسے تاجر دل لے چکے ہیں۔

محسن علی۔ آپ اپنی چوب زبان سے لوگوں کو بند کر دیتے ہیں۔ تاہم دنیا میں مانتا ہوں کہ جو کچھ آپ کہہ چکے ہیں اس میں بعض ضرور درست ہیں۔

احمد حسین۔ آپکا اسبقدر مانتا غمیت ہے، ہزاروں ہیں کہ اتنا بھی نہیں مانتے۔

محسن علی۔ اگر آپ چاہتے کیا ہیں؟ لوگ تعلیم اور نوکری دونوں چھوڑ دیں۔

احمد حسین۔ اس میں چاہتا تو یہی ہوں۔ مگر اس طرح نہیں جیسے آپ نے ابھی کہا۔

محسن علی۔ یعنی۔

احمد حسین۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ لوگ جاہل رہیں ہر شخص کو کم از کم اپنی مادری زبان میں لکھنا پڑھنا ضروری ہے۔ ادنیٰ طبقے کے لوگ تو بس اس میں تک رہیں اور اس کے بعد کسی مفید پیشے میں وقت صرف نہ کریں۔ متوسط طبقے کے لوگوں کو لازم ہے کہ اپنے بچوں کو گھر پر صرف انگریزی اور معمولی حساب و کتاب کی تعلیم میں جہانگیر میں خیال کرتا ہوں اگر انسان صرف انگریزی زبان سیکھنا چاہے تو زیادہ سے زیادہ چار برس میں کافی مہارت حاصل کر سکتا ہے۔ تعلیم کے بعد اتنے ہی روپیہ میں عقدا ارنس تک تعلیم پانے کا خرچ ہے کوئی معقول تجارت شروع کیا سکتی ہے۔ اب رہے اعلیٰ طبقے کے لوگ وہ اسکول اور کالوں میں داخل ہو کر ڈگریاں

حاصل کریں۔ مگر ہندوستان ہی میں۔ اور پھر آزاد چنے اختیار کریں جس پر میری اسکیم ہے۔ اگر اس پر عملدرآمد شروع ہو تو زیادہ سے زیادہ سو برس ہندوستان کی کاپیٹل ہو جائے۔

یوسف۔ بات معقول ہے۔ مگر اب پیشوں بھی تو دم نہیں رہا۔ ایک شہر جو انہوں سے چھ دن میں پہنچتا ہے۔ مشین اب چھ گھنٹوں میں تیار کر دیتی ہے۔ کیا کچھ مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔

احمد حسین۔ یہ صحیح ہے کہ مشینوں کی ایجاد سے بہت سی دستکاریاں مرد ہو گئیں۔ اور ہوئی جاتی ہیں۔ تاہم ابھی اکثر مشینیں ہیں اور موجودہ وقت کے لئے کافی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کون کتنا ہے کہ تم خود مشینیں ایجاد نہ کرو۔ اور ان سے کام نہ لو۔ مگر جو کیسے غلامی سے فرصت بھی تو ملے۔ دیکھو جاپان نے کیا کیا۔ کیا وہ مشینوں کے لئے یورپ اور امریکہ کا محتاج ہے۔ اس وقت وہ اپنی چیزیں یورپ کی چیزوں کے مقابلہ پرستی فروخت کر رہا ہے۔ تجارت کی ترقی کا سب سے زبردست اصول یہی ہے۔ دوائے بحال ماکہ وہ سلامتی سامان اسکیمے کے لئے امریکہ اور کہاں کہاں مارے مارے تھے اور لاکھوں روپیہ صرف کئے۔ اور خدا جانے کیا جھک مار کر لوٹے کہ اپنے ہموطنوں کا بھی ہزاروں روپیہ تباہ کر دیا۔ اور حقت مٹائے کیلئے یہ بات کر ڈی کہ ہندوستان کی آب و ہوا دیاسلامی بنانے کے موافق نہیں ہے۔ حالاً یہ ایک تسلیم شدہ بات ہے کہ تمام دنیا میں صرف ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے، جہاں ہر قسم کی آب و ہوا موجود ہے۔

یوسف۔ لیکن سرمایہ بھی تو نہیں ہے کیا کیا جائے۔

احمد حسین۔ میں اس خیال میں آپ کے ساتھ نہیں ہوں۔ سرمایہ کیوں نہیں ہے ہندوستان میں ابھی ہزاروں کیا لاکھوں دولت مند موجود ہیں جو بڑے بڑے کارکن ہو سکتے ہیں۔

یوسف۔ پھر وہ کارخانہ کیوں نہیں قائم کرتے۔

احمد حسین۔ کوئی ٹیلیس۔ اس دس برس کے عرصہ میں آپ نے دیکھا کہ

کارخانے ہندوستان میں قائم ہوئے اور ٹوٹ گئے۔ وجہ یہ ہوئی کہ اچھی کے ذمہ دار اپنے فن میں کمال نہیں رکھتے تھے۔ ہم ہزاروں روپیہ دلا بیت جا کر برسرِ پاؤں کرنے میں صرف کردیتے ہیں۔ لیکن یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ امریکہ یورپ جاپان جا کر صنعتی تعلیم کمال طور پر حاصل کریں۔ اگر ہزاروں ایک نے ایسا کیا بھی تو ناقابلِ طور پر اور واپس آکر اہل وطن شمار نہ رہتا۔ اگر وہ ایسی حالتیں مومن کسی کارخانے میں روپیہ لگانے کی جرأت کر سکتا ہے

دوسرا باب

رات کو کھانا کھانیکے بعد جب احمد حسین آرام کر سی ریڈ کر حقہ پینے لگے تو اب یوسف علیہ نے کہا۔

یوسف۔ بھائی جان مجھے بتائے ایک ضروری صلاح لینی ہے۔ احمد حسین۔ ہاں ہاں کہو، خیریت ہے نہ۔

یوسف۔ ہاں سب خیریت ہے۔ احسن (یوسف کا بڑا بڑا) نے امسال اسٹریس پاس کیا ہے تمہیں تو معلوم ہی ہے۔ اب اس کے لئے کیا کرنا چاہئے احمد حسین۔ کیا تمہارا ارادہ آگے بڑھانے کا ہے۔

یوسف۔ ہاں تھا تو، مگر لوگوں کی برسرِ پائی کے لئے صلاح ہوئی ہے احمد حسین۔ مسئلہ اگر برسرِ پائی کے لئے بھیننے کی تمہاری نالی رکھا گیا ہے یوسف۔ میں نے اچھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔

احمد حسین۔ احسن کیا چاہتا ہے؟ یوسف۔ وہ بھی برسرِ پائی کے لئے جانا چاہتا ہے۔ اور اسکا ارادہ ہے کہ وہاں تائنس وغیرہ کی تعلیم حاصل کرے۔

احمد حسین۔ بھائی میں تو ان تمام باتوں کا مخالف ہوں میرے نزدیک ہے ہندوستان ہی میں اب آگے تعلیم دلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یوسف۔ لیکن اب اس کے توفیق کو لیا جائے۔

احمد حسین۔ ایسا ہی شوق و ذوق ہے تو یہیں کسی کالج میں بھیج دو۔ فی

کی ڈگری حاصل کر لیا کافی ہے۔ اگرچہ مصالحت کے یہ بھی خلاف ہے۔ کیونکہ ان ڈگریوں میں سوائے ظاہری تین کے اور کچھ نہیں۔ کہیں بہتر ہو تاکہ تم اسے کسی تجارت میں لگا دیتے۔

یوسف نے اسکی ضد ہے کہ میں تجارت نہیں کروں گا۔
 احمد حسین۔ اچانک سہی۔ یہاں بی۔ اسے پاس کرنے کے بعد وکالت پورے میں کیا مضائقہ ہے۔ تم خود خیال کرو میری سڑی میں دس بارہ ہزار سے کم صرف نہیں ہونے کا۔ اور پھر اسکا کوئی نتیجہ نہیں۔ اسنے میں اگر تجارت کی جائے تو کچھ لوگوں انسان ملک التجار ہو سکتا ہے۔ دوسرا امر یہ ہے کہ مغرب کی صحبت کا اثر ان نوجوانوں پر نہایت بڑا پڑتا ہے، شراب، خوار و گستاخ، فضول خرچ، صحبت کا اثر اور لامذہب ہو جانا تو کوئی بات ہی نہیں ہے، اور اگر کہیں کسی میم کو ساتھ لے آؤ تو چلے خاندان بھی تباہ ہو گیا اتنے روپے تباہ کر کے اگر یہ ہنر سکھانے منظور ہوں تو بہت درد۔

یوسف۔ یہ سب کچھ درست ہے مگر میرے سمجھانے سے وہ نہیں سمجھ گا۔ میں اسے بلاتا ہوں ذرا تم سمجھاؤ۔ مگر اسے اس ارادے سے باز آجائے۔ مجھے خود کوئی شوق نہیں ہے کہ ولایت بھیجوں اہلی مال کی البتہ ضد ہے۔

احمد حسین۔ خیر ملاؤ۔ میں جو کچھ سمجھانیکو ہو گا سمجھاؤں گا، افسوس ہے تم نے اسے لاڈ میں اسقدر خراب کر دیا کہ وہ شہارا کہنا ہی نہیں مانتا۔
 یوسف۔ یوسف نے کوئی جواب نہیں دیا اور خدا بخش۔ خدا بخش

کہہ کر آواز دی۔ خدا بخش۔ (نوکر) سرکار کیا حکم ہے۔

یوسف۔ احسن میاں گھر میں ہیں۔

خدا بخش۔ حضور کمرے میں دیکھ لوں تو عرض کریں (دجانتا ہے)

احمد حسین۔ کیوں لونج رہے ہیں، اسوقت تک رہتے کہاں ہیں؟

یوسف۔ اکثر دوستوں کے یہاں چلے جاتے ہیں۔

احمد حسین۔ مگر یہ وقت دوستوں کے یہاں جانے کا نہیں ہے۔

آوارہ غمراہ لوگ اس وقت گھر سے غائب رہتے ہیں۔
خدا بخش۔ حضور ابھی آپس ہیں، کپڑے اُتار رہے ہیں۔ پوچھتے ہیں کوئی
خاص ضرورت ہے۔

یوسف۔ کبدہ ہاں، فوراً آئیں۔
کوئی بائج سنٹ کے توقف کے بعد ایک جوان لڑکا کوٹ چٹکون پہنے
ایک ہاتھ میں کالر اور ٹائی لٹکائے۔ بوٹ لوٹ زور زور سے زمین پر ٹیکتا ہوا
گھر سے میں داخل ہوتا ہے۔

احسن۔ (احمد حسین سے) تسلیم
احمد حسین۔ اتنی دیر تک کہاں گئے۔
احسن۔ میرے ایک خاص فریڈ (دوست) کے یہاں اینونگ پارٹی،
شام کا جلسہ تھی۔ کیا مجھے کوئی خاص ضرورت ہے؟ ابھی میں نے کپڑے
نہیں اُتارے ہیں۔ اسلئے تھوڑی دیر کے لئے آپ مجھے معاف کریں

(غصہ جواب کا انتظار کئے اٹھ کر چلا جاتا ہے)
احمد حسین۔ یہ تو ابھی سے بالکل خوش ہو گیا۔ خیال کرنا تھا کہ اسے
ایک ہونہوار رُوح و لب جو ان یاد دگکا۔ مگر معاملہ برعکس ہوا۔ یہ تھرس میں
ایسا بد لگیا۔ اسد نہ جیس آیا تھا تو بڑا مذب تھا۔

یوسف۔ یوسف نے کوئی جواب نہیں دیا اور بالکل خاموش رہا۔
احمد حسین۔ جب ابھی سے یہ رنگ سے تو معاف کے سہ کے بعد تو بالکل
آپس سے گزر جائیگا۔ مجھے دلی افسوس ہے (احسن کمر میں دوبارہ داخل ہوتے)

احسن۔ ہاں اب خدائے۔
احمد حسین۔ میں نے سنا ہے کہ تم ولایت جاتی ہو۔
احسن۔ جی ہاں میرا ارادہ ہے۔
احمد حسین۔ اس سفر کی غرض؟

احسن۔ مکمل تسلیم۔
احمد حسین۔ کیا یہاں نہیں ہو سکتی، تم یہاں بھی آئے؟

حاصل کر سکتے ہو۔

احسن۔ آپ نے میرا مطلب نہیں سمجھا۔ بہت سے ایسے امتحانات ہیں جو صرف ولایت ہی میں ہوتے ہیں۔ مثلاً سول سروس، بیرسٹری، علمِ دین اور علمِ معدنیات کے اعلیٰ امتحان۔ وغیرہ میرا ارادہ بی اسے، اہم اس کے پاس کرانیکا نہیں ہے۔ البتہ انگریزی کے فنِ ادب میں کہاں حاصلِ فردر ہے۔ اور اسکا ہندوستان میں پورا ہونا ممکن۔ غرض کہ یہی سب میں جو مجھے وہاں جانے کیلئے سبب بن گئے ہوئے ہیں۔ علاوہ بریل زبانِ قیام سے مجھے اسکا بھی یقین ہے کہ عادات و اطوار اپنندیدہ۔ دماغِ روش۔ صحبتِ درست، اور اخلاقِ اعلیٰ۔ ہو جائینگے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ہرگز میں تنگی اور مزاج میں آزادی بھی آجائگی۔ جسکی ہر لحاظ سے ہندوستانیوں سمیت ضرورت ہے۔

احمد حسین۔ تمہارا ارادہ کس قسم کی تہیہ حاصل کر نیکا ہے۔ احسن۔ میں آزادی کا دلدار ہوں۔ اسلئے میری نیت ہے کہ میرے مٹی کا تہہ دول اور علمِ ادب میں بھی دستگاہ حاصل کرنے کی کوشش کروں۔ احمد حسین۔ ہندوستان میں رہ کر وکالت کا امتحان دینے میں کیا مضائقہ احسن۔ وکالت میں اب کیا دھڑ ہے۔ نہ عزت نہ روپیہ۔ ہزار روپہ اور ہر ادھر ہر جہتیاں جتناتے پھرتے ہیں۔

احمد حسین۔ لیکن بے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں ایک نہیں ہزاروں وکیل ایسے موجود ہیں جن کی آمدنی ۲۰-۳۰ ہزار روپے کم نہ پھر گورنمنٹ میں عزت اور وقت بھی ہے۔

احسن۔ وہ لاکھوں لاکھ لاکھ بیرسٹری کے ایسے اور بہت والے ہو سکتے غریب کیا کریں۔ ہندوستان میں تو تعلیم پائی ہے جو ولایت کی ایسی کہ کہاں سے لائیں، اپنے اکثر مشا ہو گا کہ بیرسٹری کے مجھوں اور محشر ٹیوں کے ریسرچر اہل اس ڈاٹ دھمکا دیا۔ اور وہ کلن و باگر خاموش ہو گئے۔ کیا یہ دہیاں کی تعلیم سے بیدار ہو سکتی ہے۔ یہاں کے وکیل بچا رے قانون

اچھی طرح نہیں جانتے اور نہ انھیں اختیار ہے کہ تمام ہندوستان میں جہاں
جائیں وہ کالست کر سکیں۔ لیکن میر سٹروں کیلئے صرف ہندوستان ہی نہیں
نہیں بلکہ دنیا کے ہر حصہ میں جہاں سرکار انگریز کا قبضہ ہو میر سٹری کی اجازت
ہے۔ غریب ہندوستانی وکیل انگریزی بھی اچھی نہیں جانتے۔ کیونکہ جہاں
یہ تو ایک امر محال ہے کہ بغیر ولایت جائے انسان شستہ اور با محاورہ فصیح
انگریزی بول سکے۔

احمد حسین۔ صاحبزادے یہ خام خیالی ہے۔ ہمت یا دلیری تعلیم پر منحصر نہیں ہے
بلکہ یہ قومی تاثر ہے۔ ولایت جاتے تو ان تعلیم حاصل کرنے سے ہر شخص کو کیا
نہیں ہو سکتا۔ تم کہتے ہو یہاں کے وکیل قانون نہیں جانتے۔ یہ بھی ایک
مضحکہ چیز بات ہے۔ امر چرن کر جی، میراجندا غلام مجتبیٰ ان لوگوں کو
جانتے ہو یہ کون ہیں۔ یہ وہ ہیں جن پر راج قانون دانان ختم ہے۔ بڑے بڑے
فضلاء تسلیم کر چکے ہیں یہ کب اور اس ولایت میں گئے تھے کہ تمہارا یہ خیال
بھی ترا چھین کا خیال ہے کہ بغیر ولایت جائے اچھی انگریزی نہیں آ سکتی
ستھر اپر شاہ مصر، انرائیل کسٹودہ میں ان لوگوں نے کب ولایت جا کر انگریزی
یہ بھی ہے۔ پھر بڑے بڑے اہل زبان ان کے سامنے کیوں کان کودتے تھے
میاں یہ جو ہر خدا داد ہونے ہیں۔ کوشش سے نہیں حاصل ہو سکتے۔ اور
نہ انہیں تعلیم کو کوئی دخل ہے۔

احسن۔ خیر میر سٹری نہ سہی۔ سول سروس کے امتحان کی تیاری کرو لگا
اگر وہ لوگری ہے لیکن ایک بڑی محنت کی نوکری سے۔ پھر تنخواہ بھی کافی اور
مقبول۔

احمد حسین۔ لیکن یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ کہ ہمارا تمہارا جس کا بھی چاہو سوچیں
ہو گئے اب اس کے لئے بڑی بڑی اقدیں لگانی پڑیں گی۔ اس خیال عام
کو دل سے نکال دو۔

احسن۔ خیر انجیرنگ کی تعلیم تو کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ انجیروں کی قدر ہو
کروڑ بڑھتی جاتی ہے۔ اور ملکات کے حصہ میں الکی مانگ بھی زیادہ ہے۔

احمد حسین - اس میں سوائے اس شان کے کہ ٹو کری (میٹ) سرمدیہ
 سچ کر دے اور ہر ادھر سے اسے بارے ہیں میری بھینس تو اور کوئی بات
 کہتے ہیں۔ تم اگر اسے مناسب خیال کر دو تو کوئی مضائقہ نہیں۔
 ان - جیسا کہ ان کا کہہ کر ہی اور سائنس کی تسلیم حاصل کر دوں گا۔

احمد حسین - اس سے صرف اتنا فائدہ ہو گا کہ آسمان کی باتیں معلوم ہو جائیں گی لیکن
 زمین کی باتوں سے ویسے ہی واقف رہو گے جیسے اب ہوا میاں صاف جزا دے اگر تم
 نے یہ معلوم کر لیا کہ جہاں اس سے خبریں بجلی اس طرح پیدا کی جاتی ہے اسونے میں خلا
 مالا اجڑا تاشل میں تو کیا بنا لو گے، افضل سے عمل ہے، اس کے تم معلومات کے
 بعد قدم قدم پر تخیل رہو گے، وہ کہیں نہیں سلہا جاتا، اور نہ اس کے آلات
 ایجاد اور اختراع کر سکتے ہو، زمین کی باتیں سیکھو تاکہ کچھ کھاتے کوئے، آسمانی
 معلومات میٹ نہیں بھرتیں۔

اس - کیا کسی سے علم جہاں سے اچھا نہیں اور کیا میٹ بھرنے والی باتوں میں
 سائنس سے فائدہ ہمیں پہنچتا۔

احمد حسین - علم سے ضرور اچھا ہے، اگر سب سے پہلے میٹ کی فکر
 ہے۔ ایک بھوہ عالم حالی علم سے بھوک نہیں دور کر سکتا۔ یہ میں نہیں
 کہتا کہ سائنس غیر مفید ہے۔ لیکن بھوگوں کے اس افلاس کے عالم میں ہمارے
 پہلے میٹ کھرو، پھر سائنس سیکھو۔ اب صرف تمہاری ایک بات

کہ جواب باقی ہے۔ جسے عادت و اطوار، اخلاق، مزاج اور صحت کی درستی
 وہ سب ہندوستان ہی میں ممکن ہے۔ کوٹ پتلون پہنتے ہی ہوا اگر بڑی
 خوش احوال ہو، بورگوں اور خوردوں کے ساتھ نہ تباہی کیا ہے، اب رہا
 مزاج اور صحت اگر مومن شملہ و تنی تال - کوہ مری ایسے مقامات پر
 چلے جانا، ادھر انگریزوں کی صحبت اور شراب سے یہ دونوں باتیں
 بھی حاصل ہو جائیں گی۔ ہر سال تجدید بھی کر سکتے ہو اب کیا ضرورت ہے کہ
 عزیز باب کے ہزاروں اسی سی بات کیلئے صرف گرا دو۔ اور وطن

سے اتنے دنوں کیلئے غیر حاضر ہو۔

حسن۔ آخر تو پھر کیا کروں۔

احمد حسین۔ میاں صاحب زادے سنو۔ ابھی نہ تم میں عقل ہے اور نہ تجربہ، ہم
 بڑھوں کو سو قوت نہ خیال کرو۔ بلکہ جو کچھ کہا جاتا ہے اسے غور سے منکر راہ قائم
 کر لے۔ ہمارا کام یہ ہے۔ تم نے کہا ہے کہ مجھے آزادی پسند ہے۔ کیوں؟ کیا ہم
 تجارت سے بڑھ کر کوئی آزاد پیشہ بنا سکتے ہو۔ یولو۔ حواس ۳۳۔

حسن۔ ہاں ضرور بنا سکتے ہیں۔

احمد حسین۔ پھر خیال کرو کہ یہ دل باریہ ہزار روپے جو ولایت جانے اور تعلیم
 حاصل کرنے میں صرف کیے جاتے ہیں اگر کسی تجارت میں لگے جائیں
 تو کیا ہو۔ میں دعوت سے کہہ سکتا ہوں کہ تم ایک برس میں اس سے اس قدر نفع
 اٹھا سکتے ہو جتنا ایک برس شریا سولیس سے کہ چار برس میں بھی نصیب نہ ہو۔ یہ ہماری
 سخت جہالت ہے کہ ہم تمام دنیاوی ترقیوں کا دار و مدار صرف ولایت جانے
 پر سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ یہ اس قدر غلط ہے کہ بیسوں ولایت کے مہمبولی
 باشندے ہندوستان میں اگر صرف ہزار دہزار میں کوئی معمولی تجارت شروع
 کر دیتے ہیں اور دس لاکھ برس کے عرصہ میں دولت مند بن کر ولایت چلے جاتے ہیں
 دوسرا نقصان اس سفر میں یہ ہے کہ نوجوان بالکل مغربی رنگ کا ہو جاتا ہے
 جو انشا کیلئے باعث عار ہو کیونکہ تم جسے انگریزی خیالی سے آزادی۔ تہذیب،
 خوش اخلاقی، روشن دماغی کہتے ہو۔ وہ ایسا لے نزدیک لامعا ہی، جڑ بھٹی،
 بدخلق، اور کور دماغی ہے۔ اگر یہ اوصاف حاصل کرنا ہو تو جاؤ۔ ورنہ کھڑے ہو
 اور آرام سے تجارت کرو۔ دولت اور عزت سب کچھ ہمارے قدموں سے
 لگی رہے گی۔

حسن۔ جناح کے خیال ایک حد تک صحیح ہو سکتے ہیں۔ لیکن تجارت میں
 کوئی عزت نہیں ہے یہ ایک عامیانہ کام ہے۔

احمد حسین۔ عقل کے ناخن لو۔ انگریزی تعلیم پانہ ہو ایسی ناواقفیت۔ میاں
 جسکو تم عامیانہ کام کہتے ہو اسی پر آجکل بڑی بڑی سلطنتوں کا دار و نحر ہے۔

حسن۔ کل میں چند جہاب سے مشورہ کرنے کے بعد آگیا اپنی رائے سے
 کر دگا۔ شاید گیارہ بجے ہوں گے۔ اب میں معافی چاہتا ہوں۔ (اٹھ کر چلا جا
 یوسف۔ بھائی تم نے قابل تو ہر طرح سے کیا۔ دیکھنے کل کیا جواب دیتا ہے
 ہے کہ مان جائے۔

تقسیم باب

حسن۔ نے اپنی والدہ سے گھر میں جا کر غذا جانے کیا کیا کہا کہ دوسرے دن
 صبح کو چلیے یہی یوسف نے گھر میں قدم رکھا وہ ادب چھڑ گئی۔
 اے یہ تمہارے کون دوست آئے ہیں بڑا آئے دقیا نو سی خیر
 کس گاؤں کے رہنے والے ہیں ذرا میں بھی تو سنوں۔

یوسف۔ کیا تم احمد کو پوچھتی ہو۔
 بیگم۔ اب میں کیا جانوں ماہو گا کوئی نام۔ ارے وہی جنھوں نے کل
 حسن اکا دماغ چاٹ ڈالا۔

یوسف۔ وہ منشی احمد حسین صاحب ہیں۔ دہلی کے مشہور مصنف
 بڑے قابل اور عالید ملغ شخص ہیں۔

بیگم۔ بس اس تعلق میں تو آپ رہنے دیجئے۔ اس کی ساری قابلیت اور عالید
 معلوم ہے۔ بھلا کیا کہنے سے بک بک کر رہے تھے۔

یوسف۔ بک بک کیا، جو کچھ انھوں نے کہا وہ سب سمجھداری کی باتیں
 بیگم۔ دیسی ہی سمجھداری کی باتیں جیسی تم کیا کرتے ہو۔
 یوسف۔ تم سے بحث کون کرے تم نے سمجھ لیا ہے کہ مجھے بڑہ کر دنیا میں کوئی
 عقل مند نہیں۔

بیگم۔ نہیں وہ تو تمہارے دوست ہیں۔ اور کیو تو عقل ملی ہی نہیں
 تمہارے یا ان کے۔ بس انہیں دو کے قصے میں تو آئی ہے۔ حسن کہتا تھا
 ان کی رائے دلالت کھینچنے کی نہیں ہے۔

یوسف۔ وہ کہتے ہیں فضول ہے۔ سوائے رویوں کی بربادی کے
 کوئی نتیجہ نہیں۔ دراصل بات تو معقول ہے۔

بیکم۔ یہ جو ہزاروں آدمی آج اپنے بچوں کو ولایت بھیج رہے ہیں سب بیوقوف

ہیں۔ کیوں؟ یوسف۔ تم مطلب بھی تو سمجھو۔ اتنے روپوں کے صرف کے بعد وہ بیہوش

ہو جائیں اور کیا ہوگا۔

بیکم۔ عزت ہی حاصل کرنے کے لئے روپے صرف کئے جاتے ہیں

یہ دس ہزار کیا ہیں۔ لوگ لاکھوں خرچ کر ڈالتے ہیں۔ ایسی دولت کس کا نام

کی جس سے عزت حاصل نہ کی جاسکے۔

یوسف۔ آخر عزت کیا حاصل ہوگی۔

بیکم۔ یہی عزت کہ بالشتر ہو جائیگا۔ ولایت میں جا کر بڑے بڑے مالکوں

سے ملاقات ہوگی ان سے میل جول پیدا کرے گا۔ بادشاہی زبان جیسی آجکل

سخت ضرورت ہے آجائیلی۔ بڑے بڑے کلکڈ، حج۔ کرسی دینگے۔ اب اور

کیا جائے۔ دیکھتے نہیں فخر الزماں کے لڑکوں کو آج کیا درد دردہ ہے۔ جدید نکل جاتی

ہیں۔ لوگ تعظیم کرتے ہیں۔ ماں باپ کو کیسی خوشی ہوتی ہوگی۔ خدا جانے تم کیسے پا

ہو کہ تمہیں ان باتوں کا ارمان نہیں۔

یوسف (مسکرا کر) کیا اسی کا نام عزت ہے؟

بیکم۔ نہیں عزت اس کا نام ہے کہ سر سرکار کھڑے بازار میں داسلائی سے جھگڑے

کیوں تمنا کلامی اور تمہارے بڑے لائق سمجھدار دوست کی تو یہی راستے ہے۔ قوتِ خدا

کرے کہ میرے بچے کو یہ دن دیکھنا نصیب ہو۔ تمہیں اپنا رہبر عزیز ہو تو رہے وہ میں

اپنے پاس ہے اسے سب خرچ نہ لگی۔ اور ضرور بھجوں گی۔ میری زندگی میں تو یہ بھی

نہیں ہو سکتا کہ میرا بچہ بساطی کی دوکان لگا کر بیٹھے۔

یوسف۔ پہلے بات کو سمجھو تو یہ کون کتنا ہے کہ وہ بساطی کی دوکان کرے۔ یہ جو

چربی کے عزیز حسن اور کلکتہ کے حاجی امیر بخش ہیں۔ ان کی دوکانیں کیسی ہیں، تم تو انہیں دیکھنا

چلی ہو۔

بیکم۔ خیر ہونگے۔ مجھے یہ بھی منظور نہیں۔ وہ لاکھ بڑے جائیں۔ دولت والے ہو

جائیں۔ سواد اگر کملائیں گے، نہ ان کی کوئی وقعت ہے نہ عزت۔ ابھی کوئی معمولی سا سرکاری

نوکرا جائے تو حضور حضور کے سوا زبان سے دوسرا لفظ بھی نہ نکلے۔ یہ جو لاٹ صاف
ہو بار ہوا کرتے ہیں، انہیں انہیں بھی کرسی ملتی ہے۔ ہتھیں سجھ جتاؤ۔

یوسف۔ دربار میں سب لوگ شریک نہیں کئے جاتے، خاص خاص دربار ہوتے
اتھیں خاص خاص لوگ بلائے جاتے ہیں۔ عام دربار میں اللہ ہر طرح کے لوگ
شریک کئے جاتے ہیں۔ تو کیا سب برہنہ دربار میں ملائے جاتے ہیں۔

یوسف۔ کیوں نہیں، افراد ان کے لئے تو برہنہ ملائے جاتے ہیں۔
یوسف۔ اُن کی برہنہ کی جب انہیں چلی تو منصفی کی نوکری کر لی۔ چھوٹے چھوٹے
درباروں میں بلائے جاتے ہیں۔ دہلی میں جو بڑا دربار ہوا تھا اس میں کسی نے نہیں

پوچھا بھی نہیں۔
یوسف۔ مانا کہ نہیں پوچھا بھلا یہ سوداگر کی اجازت کسی دربار میں ملائے گئے ہیں
تو منصفی۔ کیوں نہیں۔ ابھی تو دہلی کے جیسے دربار میں ملائے گئے تھے۔

یوسف۔ بلائے گئے ہوں گے۔ تو جہاں جوتے تمارے جاتے ہیں وہاں
جائے بھی ملے گی۔ ایک سوداگر کی عزت ہی کیا۔
یوسف۔ یہ ہماری جہالت ہے جیسا کہ بتی ہو۔ ہتھیں کیا خرکہ گھر کے باہر کیا

پوچھا ہے
یوسف۔ (دگر کر) خیر میں جاہل ہی سمی۔ آپ لوگ تو بڑے عالم فاضل ہیں
اس وقت سے کیا فائدہ۔ حسن ولایت جائے گا آپ میں چاہے جو کچھ ہو
یوسف۔ میرا کیا۔ مجھ کو، آپ ہی میرا ہاتھ دھر کر رو دو گی۔

یوسف۔ روئیں میرے دشمن۔ میں کیوں روؤں گی۔
یوسف۔ بیگم کے پاس سے غصہ سے بھرا ہوا باپ چلا آیا احمد حسین نے ہاتھ بٹھا
کر غصہ بڑھ رہے تھے۔ جب فارغ ہوئے تو یہ گفتگو شروع ہوئی۔

یوسف۔ (نوکرا جائے لانے کا حکم دیکر) بیٹے مر راج بکیر ہے۔
احمد حسین۔ ہاں خدا کا شکر ہے۔
یوسف۔ اچھے فیصلہ ہو گیا۔ بلکہ سننا بھی دیا گیا۔

احمد حسین۔ یعنی۔

یوسف - احسن میاں کو آنکی والدہ دلا بیت ضرور بھیجیں گی۔ انھوں نے دیکھی
 تمام باتیں کہہ ڈالیں۔ اور قطعی راستے منادی۔
 احمد حسین - انوس ہے۔ اور حد درجہ کا انوس ہے۔
 یوسف - اب مجھے تو مطلق انوس نہیں۔ ذرا نہیں معلوم تو ہوگا۔ کہ خوراک کا کیا نتیجہ
 ہوتا ہے۔

احمد حسین - ایسی بد دلعنہ دو۔ خدا کرے وہ ال بلاؤں سے محفوظ رہے اور
 واپس آئے۔
 یوسف - محفوظ کیا رہے گا خاک۔ میں اسکی حالت دیکھ چکا ہوں ہے۔ وہاں تو
 اور مطلق العنان رہے گا اس عرصہ میں آئی دونوں نے بی اسکے بعد احمد حسین نے کہا
 احمد حسین - میرا ارادہ توکل جانے کا تھا۔ مگر جلد ضروری کام یاد آجائے کیونکہ
 آج ہی جانا چاہتا ہوں۔
 یوسف - ایک عرصہ کے بعد تو آئے ہو، پھر اس قدر غفلت۔

احمد حسین - میں پہلے سے سیدہ المہدیہ جاؤں گا، اور وہاں سے چند دنوں
 کے لئے بتدریس اس کے بعد واپسی میں ممکن ہے کہ دو ایک دن کیلئے غیر یہاں آئے
 پڑوں۔

یوسف - خیر، مگر اب کل ہی جانا، اسوقت ڈاک کا وقت بھی اب نہیں بڑ
 تینہ میں تکلیف ہوگی۔ ہاں غریب یاد آیا، آج شام کو تو ہذا حق محمد کے یہاں
 منادی اور خاص خاص احباب کی دعوت ہے۔ صبح آٹھ بجے میرے پاس آج
 میں تم سے کہنا بھول گیا۔

چوتھا باب

گذشتہ ابواب کے واقعات کو کچھ کوئی حیرت منہ کا زماہ ہو گیا۔ اس درمیان میں
 سب سے بڑی قابل تذکرہ بات یہ ہوئی کہ احسن دلا بیت ردانہ ہو سکے۔ وہاں سے
 بحیرت پہنچے کا تار بھی آگیا۔ ہاں البتہ کوئی مفصل خط ابھی تک نہیں آیا ہے
 یہاں سے یوسف نے اب تک دو خط بھیجے ہیں۔ مگر جواب نہ لے سکا جس سے یوسف

اور ابی بیگم کی قدر پریشان ہیں۔ کچھ پوچھ اپنے کتب خانے میں تھا کہ کو کس نے
 ایک خط لاکر دیا۔ جس کی ہر پر نظر کرنے سے اس کے چہرے سے خوشی کے آثار ظاہر
 ہوئے، اُس نے جلدی جلدی لفظ جاک کیا۔ نظر ڈالتی ہی اس کی پیشانی پر شکن
 پڑنے لگی۔ جو جو وہ خط پھیل گیا اور اس کے چہرہ پر غصہ اور نفرت کے آثار زیادہ ہونے لگے یہاں
 تک کہ اس نے خط بغیر ختم کے حقارت سے فرش پر پھینک دیا۔

یوسف۔ مردود باخلف! مرید شیطان! آہ دہی ہوا جی کا ڈر تھا۔ اب کیا ہو سکتا
 ہے سب علاج نامحلوں، ساری تدابیر بے سود، ہاتھ سے جا چکا۔ سنبھلنا ممکن نہیں
 یہ جو کچھ بھی ہو اس جاہل عورت کی وجہ سے، لاکھ لاکھ سمجھایا، کوئی دقیقہ اٹھانہ لیا
 مگر اس کبخت کی سمجھ میں نہ آتا تھا نہ آیا اب روئے گی کبخت۔

نعت سے ایسی تندی پر اور پھٹکا رہے ایسی روشنی پر۔ چار دنوں ایسی بے شرعی
 ایسی بیجانی۔ ایسی دریدہ دہی۔ شر خدا کا خوف ہے نہ بزدلوں کا ادب۔ اور نہ
 چھوٹوں کا لحاظ سچ ہے مغرب کے نعت میں شرم، احیا، ادب، انہیں سے
 کوئی لفظ نہیں ہاں اب ذرا اس موقوف کو بھی یہ خط سنا دینا چاہئے تاکہ اسے
 بھی معلوم ہو جائے کہ اس کا لڑکا کیسا فاضل ہو گیا۔ اور کیا ہو کر آئے گا۔

یوسف۔ سچ اور غصہ سے بھرا ہوا خط لئے زنا خانہ کی طرف بڑھا۔ بیگم ناشتہ کر کے
 بان بنار ہی تھیں۔
 یوسف۔ بیگم کی گود میں خط پھینک کر یہ آپ کے نور چشم کا خط ہے۔

سنگ۔ کیا حسن کا خط آیا ہے۔

یوسف۔ جی ہاں۔

سنگ۔ اے اللہ تیرا رہبر اور شکر ہے۔ کیسا دل گھبرا رہا تھا۔ کہو خیریت سے
 ہے؟ اچھا ہے۔ یوسف نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور ایک طرف کر سی بچ کر

بیٹھ گیا۔
 سنگ۔ کہوں کیا ہے خیر تو ہے۔ آخر کیا لکھا ہے۔

یوسف۔ جو تمہاری قسمت میں سنا تھا وہی لکھا ہے۔ لاجول بدلتی ہیں
 قسمت کو فضول بدنام کر رہا ہوں بلکہ مجھے یہ کہنا چاہئے کہ جو تم چاہتی تھیں وہی ہوا۔

سنگ۔ یعنی میں کیا جاہلی تھی۔
 نوشتہ۔ یہی کہ لڑکا قابل ہو، لائق ہو، نام پیدا کرے، اس نے یہ سب باتیں سن
 چار بیٹے میں پیدا کر لیں انشاء اللہ ولایت سے اگر ایسا خاندان کا نام روشن کر لیا کہ
 تمہارا بچہ خوش ہو جائے گا۔

سنگ۔ اس خط میں لکھا گیا ہے۔ ذرا غور ہو تو سمجھیں۔
 نوشتہ۔ یہ خط پڑھ کر میرا خون کھل گیا۔ تیرا لکنا ہے کہ ایسا کہ تیرا بچہ بے ادب اور
 آزار دہ۔ اس قدر جلد۔ اگلی روز کے میں جیسے بھی نہیں ہوئے۔ جو کچھ کہتا رہا کیا۔
 اور تمہاری دھم سے ہوا۔ آہ میں نے کتنا کتنا سمجھا یا۔ مگر تم نے ایک نہ غصی
 اب اسی تمہارا زہ اٹھاؤ۔ سنو یہ صاحبہ۔ اوسے صاحبہ تحریر فرما لے ہیں۔
 خط

پارک اسٹریٹ نمبر ۹ لندن
 ۲۶ جولائی ۱۸۸۷ء
 مائی ڈیر ابا جان۔
 شاید آپ اس نے اس
 کو پڑھ کر متحیر ہوئے ہوں۔ اور ممکن ہے کہ آپ کو کچھ غصہ بھی آگیا ہو کہ میں نے ق
 کو جس وجہ دارین معظمہ و محترمہ عالیجناب فیض آباد والد صاحب قبلہ مدظلہ کی جگہ ایک لڑکی
 سادہ اور ساقی ہی ساتھ مغربی القاب کیوں لکھا۔ جسے جب سے ایشیا کی تاریخ سے
 مغرب کی روشنی میں آیا ہوں، چند دنوں تک تو میری آنکھیں خیرہ رہیں، اور اصولاً
 رہنا بھی چاہئے کہونکہ یہ ایک سائنس کا مسئلہ ہے کہ انسان کی تیلی انڈیری میں
 طبعی اور روشنی میں ٹھٹ جاتی ہے۔ ایسا جوہر سے جب وہ تاریک سے روشنی میں
 آتا ہے تو کچھ دیر تک اسے صاف صاف دکھائی نہیں۔ اب مجھ کو اس تہذیب اور
 روشنی کی سرزمین پر آئے دوڑ ہائی جیسے ہوئے۔ اور اس عرصہ میں ایشیا کے
 دقبائوسی اور غیر مذہب خیالات بار بار تزلزل ہونے سے بالکل بہ گئے اور اب مرث
 کی بات ہے کہ میرا غریب اور کمزور دماغ، مغربی ترقوت اور تہذیب آموز خیالات
 اکا آہستہ آہستہ خزانہ بنتا جاتا ہے۔ ایسی صحت بخش حالت میں میرے لئے یہ
 کس طرح ممکن نہ تھا کہ آپ کو اور دقبائوسی القاب سے یاد کرتا ہے جن کیلئے
 اب میرے دماغ میں جگہ نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بڑے بڑے

انقلاب سے سوائے مصنوعی ادب یا محنت کے اور کچھ مقصود نہیں ہوتا۔ اور
 الشیخ کا خالص دھوکو سلا ہے۔ کوئی کام بھی اسکا ایسا نہیں ہے جس میں صلیب
 کی جملک ہو۔ آپسی فریبے بہلا قطع، بناوٹ اور سراسر جھوٹ کا قلعہ
 رکھا اور پسکتا ہے۔ جاسے آپ میرے اس مختصر اور بے انقلاب
 تاراعض ہتی کیوں نہ ہوں۔ لیکن بس اپنا سچا خوش محبت اسطرح اظہار کیا کہ
 میں یہاں پہنچنے کے دو ہی ہفتہ بعد بیمار پڑ گیا۔ اور یہ بہت ارحما ہوا کیونکہ
 اسطرح ایشالی تمام کثافت عمدہ اور دماغ سے خارج ہو گئی۔ اور ایسا نہ ہو
 تو یہاں کی لطیف تہذیب شاید اسقدر جلد میرے رنگ در نشہ میں لغو نہ کر دیا
 آپکو جلد خط نہ لکھنے کا سبب بھی تھا۔

یہاں کی آب ہوا انتہایت زہر دہ ہے۔ اور میری بیماری کیوجہ بھی یہی تھی۔ ڈر
 سے مشورہ دیا ہے کہ میں کم سے کم دن بھر میں جلد بوتل ڈالیں و شعل کیا کروں
 اگر آپیں دوا کی ہوئی تو پھر جان کی فکر نہیں ہے۔ کلارٹ کو شاید آپ لوگ شراب
 خیال کریں۔ حالانکہ وہ شراب نہیں ہے۔ انگور کا خالص عرق ہے۔ آپیں
 سکر نام کو نہیں پوتے۔ ایک روح بخش گرمی دل و دماغ تک پہنچتی ہے۔ اور جسم
 میں توانائی اور تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ دل بس۔ گھر یا اسکا حساب نہیں جو ڈاکہ
 تھا۔ اب ابھٹ کر جو خط لکھا جائے آپیں اسے اجازت دیجائے کہ میری جو
 کیلئے جو دوا آپیں ڈاکٹر ضروری خیالی کریں ان کا بل وہ یاس کر دے۔ ایسا نہ ہو
 تو میری زندگی دشوار ہوگی۔

یہاں میں سب سے زیادہ مشہور ہوں۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ پہلے پہل جب میں یہاں
 آتا تھاں جان کی دی ہوئی زور دوزی کوئی زیب سر تھی بس پھر کیا انقلاب نہ
 لگیں۔ صرف ایک نقصان ضرور ہوا کہ ہوٹل کے مالک کے ہم حیز و لگاؤ کا
 شاہزادہ سمجھ کر زیادہ چارج کرنا شروع کر دیا۔ خیر اسکا جذاں مضائقہ نہیں عت
 کے لئے روپے صرف کئے جاتے ہیں۔ پھر اس قلیل مدت میں اکثر بڑے بڑے جٹیلر
 اور لیڈیز سے ملاقات ہو گئی ہے، اور اب تک دو جگہ میری دعوت بھی ہو چکی ہے۔
 میرا غرض ہے کہ میں بھی انہیں مدعو کر دوں۔ علاوہ بریں جیسے ہندوستان میں

بان، عط، الائجی وغیرہ ضروری اخراجات ہیں، اسبطر خانکی جگہ چار، تہوہ، سگڑ، سنگار اور بعض قسم کے عرق جو مفرح ہوتے ہیں۔ استعمال کئے جاتے ہیں۔ یہ سب وہ اخراجات ہیں جن کے متعلق ہمیں ہندوستان میں کوئی اطلاع نہ تھی۔

جناب جانتے ہیں کہ میری غرض صرف برٹری نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی ہو کہ یہاں کے اعلیٰ طبقہ سے میل جول پیدا کروں۔ یہاں اگر معلوم ہو کہ اس میں بڑی مشکلات ہیں۔ اور بغیر کافی روپیہ کے صرف کئے ایسا ممکن نہیں ہے۔ یہاں اعلیٰ طبقہ سے تعارف کی صورت یہ ہو کہ بڑی بڑی ٹورڈ اور لائٹسٹون میں لمبی لمبی بازیاں لگائی جائیں۔ ہر شام یا تفریح گاہ میں اچھی نشین حاصل کی جائیں۔ چھپے میں دو چار ڈنر ہوں۔ معزز لیدیوں کو کھانے چائیں۔ وغیرہ، یہ تو اعلیٰ طبقہ کے متعلق میں نے عرض کیا۔ اب اگر متوسط طبقہ کو دیکھئے تو وہاں بھی ایسے ہی اخراجات موجود ہیں۔ کیونکہ یہاں عموماً جتنے کھیل یا دلبستگی کے ذریعہ ہیں سب میں بازیاں لگائی جاتی ہیں اس سے یہ نہ سمجھ لیجئے کہ خدا خواستہ یہاں ہمارے ہندوستان کی طرح نہ ہوتا ہو۔ لاجول واقعہ یہاں وقت کی آمد و رفت کی جاتی ہے۔ کوئی متنفذ ایک منٹ میں بھول خدائے کرنا پسند نہیں کرتا۔ اسلئے کوئی کھیل بغیر بازی کے نہیں کھیلا جاتا۔ روز لاکھوں روپے کے بازی کی نوبت آجاتی ہے۔ اب دیکھئے میں ایک مثال اور عرض کرتا ہوں جس سے آپ سمجھ لیں گے کہ یہ سوسائٹی کے جزو لاینفک ہیں مثلاً میں کسی دوست سے ملے گیا، اور وہاں اسے مع اہل لسی کھیل، جلسے، ناش، انشا وغیرہ میں مشغول پایا۔ اب میرا فرض ہے کہ میں اس کھیل میں بازی لگا کر شریک ہوں کیونکہ اگر ایسا نہ کر دن کا تو یہ سخت بدستہبی اور آئین سوسائٹی کے خلاف ہوگا۔

گزشتہ منگل کو ایک رئیس کے یہاں جلسہ تھا، تب میں میں مدعو کیا گیا۔ جلسہ میں میری ایک آشا (دوست) امیرہ اجیہ نے میرے ساتھ بیٹھ کر اپنے بیٹے کو آتش قابو کر کے، تجھے سخت شرمندہ ہونا پڑا اور سوائے انکار کے کوئی مغر کی صورت نہیں دیکھی۔ لیکن انکا اصرار حد سے زیادہ بڑھ گیا، اور آئینہ بے محورہ پڑا۔ خیر صاحب! تاجا، مگر چونکہ عمر میں پہلا اتفاق ہوا پانچ سو نو عدد۔ سے نہ بڑھ سکے، بڑی ہنس

ہوئی۔ اور میں دلیں کٹ کٹ گیا۔ دوسرے دن سویرے ہی میں ایک اسکول میں
 پہنچا جہاں باقاعدہ ناچ سکھایا جاتا ہے۔ یہاں پانچ پاؤنڈ (پچتر روپیہ) ماہواری
 تنخواہ دینی پڑتی ہے۔ اور ایک جوان اور حسین میم صاحبہ کے علاوہ جو اس اسکول
 کی مالکہ ہیں جن چار اور حسین لڑیاں ہیں جو اپنے ساتھ نچا کر ناچ سکھاتی ہیں۔
 ابھی مجھے پانچ ہی دن ہوئے۔ لیکن اب میں بہت کچھ باتا قاعدہ اچھل کود سکتا ہوں۔
 میری مطلقہ اکثر کہتی ہیں کہ تم ایک مہینے میں بہترین ناچنے والے بن جاؤ گے۔
 ایک ہندوستانی کے لئے کم خوش قسمتی نہیں ہے کہ وہ یورپین ناچ میں کمال
 حاصل کرے۔ جس جوش میں میرا قیام ہے نہایت برضا جگہ بروا ہے۔
 اور یہاں قریب قریب جتنے ڈوگر میں سب عورتیں ہیں۔ کچھ نہ پیچھے کہ وہ
 کیسی سلیقہ مند، ہوشیار اور شائستہ ہیں۔ اشارہ پر کام کرتی ہیں۔ اشارہ
 پر انہیں سے ایک کو جو ابھی نہایت حسین اور کم سن ہے میں نے انگریزی طرز
 سے کہانا کھانا کینے کے لئے حیدر دھون کے واسطے ملازم رکھ لیا ہے۔ بڑی
 ہی دلجوئی اور مہربانی سے سکھاتی ہے۔ اور اب اتنا اسیکھ گیا ہوں کہ فچل
 کے کانٹے صفائی کے ساتھ کانٹے سے الگ کر لیتا ہوں۔ ابھی ہفتے میں
 مجھے اُسے معقول انعام دیکر رخصت کرنا ہو گا کیونکہ اب زیادہ دنوں تک
 رکنے کی ضرورت نہیں ہے۔

میری بعض ذی مرتبہ سنا سائیڈ یون نے "ہگولڈن سلیپر" (ہندوستانی
 وصلی کی جوتیاں) کی فرمائشیں کی ہیں یہ مہربانی کر کے جلد سے جلد ایک درجہ
 بھیج دیجئے سائبر پانچ اور چھ ہو۔ امان جان کی خدمت میں آداب کھدیجئے۔ جب
 میں ہندوستانی تھا کما کرتی تھیں کہ اب میں جلد تیری شادی ٹھہراؤں گی۔
 اُن سے کہہ دیجئے کہ کہیں ایسی غلطی نہ کر بیٹھیں ورنہ وہ جائیں، میں بری الذمہ ہوں۔
 میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ میں ہرگز ہرگز ایک وحشی، غیر محذب عورت کے ساتھ
 عمر بسر نہیں کروں گا۔ ہاں اگر میری شادی یہاں میری پسند کے موافق ہوئی۔ تو میں
 تیار و آمادہ ہو جاؤں گا۔ اکثر معزز لڑیاں ہیں جنکا مجھ سے کورٹ شب (عشق
 از دواجی) کر کے کام آ رہا ہے اور بعض کا تو اصرار ہے۔ لیکن میں۔

ابھی کیسکو کوئی جواب نہیں دیا۔ مہربانی کرکامان جان سے صلاح کر کے کہئے۔
اور فوراً کہئے۔ اگر دیر ہوئی تو بہت ممکن ہے کہ میں کسی لیڈی کی درخواست
منظور کروں۔ اُس وقت آپ نے اگر میرے ارادوں کے خلاف رائے ظاہر
کی تو آپ کو ہرج دینا ہوگا۔

روپوں کی سخت ضرورت ہے امید کہ آپ جلد سے جلد بذرِ تعمیرِ ہندوئی
غایتِ فراموشی گئے۔ ہر دستِ باغِ ہزارِ جن موسمِ بہار تک کی طرح بسر کرے گا۔
محسن کیسا ہے، میری تو اُسی وقت رائے تھی، اور اب تو نہایت اصرار کیا تھا
کہتا ہوں کہ اس کا وقت ہندوستان میں ضائع نہ کیجئے۔ وہ ہو نہا رہی ہے۔ بیان
اگر بہت کچھ کر سکیگا۔ اگر آپ اُسکے بھیجے گا تہیہ کریں تو میں سو تر تک اگر
اُسے لے جاسکتا ہوں۔

ڈاک کا وقت قریب ہی۔ اس لیے عرضیہ ختم کرتا ہوں۔ والدہ صاحبہ اور
جناب کے لئے تھوڑا سا تخمینہ گوشت اور کچھ ساراؤں روانہ کرتا ہوں۔ امید کہ
انہیں آپ نہایت مقوی، خوش ذائقہ اور مفید غذا پائیں گے۔

آپ کا عزیز فرزند

احسن

خط سننے کے بعد ہی بیگم کی یہ حالت ہوئی کہ کاٹو تو ہو نہیں سکتی۔
بیگم (کچھ دیر کے سکوت کے بعد) اے اب کیا ہوگا۔ یہ تو بالکل کھل کھلا
اس قدر جلد، ابھی دن ہی کئے ہوئے تھے۔

میلو سفت۔ اسی دن کے لئے بھی آتا تھا۔ مگر آہ تم نے نہ سمجھا نہ سمجھا۔ اب کیا ہو گیا ہے
بیگم۔ کیا بتاؤں نہایت تھی، اس کی بات تو نہیں آگئی۔ کیونکہ جی بہ نگار بیٹا گیا ہے۔
نوشک۔ ہو گیا۔ شراب ہے۔ اور کہہ۔

بیگم۔ اسے ہی شراب۔
نوشک۔ جی ہاں۔ شراب خدا جانے کتنی شہزادین اور چکیں ہوتی۔
بیگم۔ اچھا اب کیا لیا جاسے۔

نوشک۔ میں کیا بتاؤں، کوئی صورت اب نہیں مل سکتی۔

بیگم۔ کی طرح سے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ہندوستان لوٹ آئے۔
یوسف۔ اس سے ناگدہ کیا ہوگا، سوائے اس کے کہ اب تک جس قدر روپیہ صرف
ہو چکا ہیں وہ سب بے سود ضائع ہوں۔
بیگم۔ پھر آخر کیا کیا جائے۔

یوسف۔ اب تو آوارہ، لالہ زیب۔ بے حیا، بے شرم، جو بوجہ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اگر
ہندوستان میں بھی بلا لوگی تو کیا ہوگا، کیا یہ محبوب کا جائیں گے، استغفر اللہ
بہتر یہی ہے کہ اُسے خط لکھ دیا جائے کہ ہماری سرسٹری کا خرچہ ہندوستان
کیا ہے۔ اس میں جو ہزار کا اور اضافہ کر کے ہمارے پاس بھیج دیا جاتا ہے۔
اب جاننا نہیں کسی ہی ضرورت ہو رہی، ہمیں بھیج دیا جائیگا۔ اچھا پاس
سرسٹری، ٹیپو، سماجی، تیرا، بخاری اور عیاضی کا تھا۔ اٹھارہ مہینے پورا ہوئے
اختیار ہے۔ اس سے کم اگم اتنا ہوگا کہ وہ ذرا ہوشیار بن آجائے گا۔ شہنشاہ
تو اب ناممکن ہے۔

بیگم۔ ہاں، یہ صارف معقول رہے۔

یوسف۔ یہ بھیجیں اسی دن، میں نے مدد میں میرا ہاتھ دیا اور اس کی صلاح
نہ مانی گئی۔ کیا اگر آج وہ ہندوستان میں رہتا اور تجارت کرتا، کیا ہوتا ہو۔
بیگم۔ آج ہی۔ واقعی بڑی غلطی ہوئی۔

یوسف۔ ایسی غلطی جس کا کوئی علاج ممکن نہیں۔ خیر اب محسن رہ گیا ہے اسے
تو میرے ارادوں پر چھوڑ دو۔

بیگم۔ کیا اُسے اب تعلیم نہ دلواد گئے۔

یوسف۔ نہیں اب میرا ارادہ قلبی نہیں کہ اُسے اسکول بھیجوں۔ انشا اللہ
میں ہی نام کٹوا دینگا۔

بیگم۔ پھر وہ کیا کریگا۔

یوسف۔ گراگا کیا، انگریزی اور حساب کی تعلیم دیکھائے گی۔ کوئی قابل ہندوستانی
مستر نوکر کہ لیا جائیگا۔ اس طرح انشا اللہ دوسرے کے اندولنے والی انگریزی
تعلیم ختم ہو جائے گی۔

اور اس طرح یوسف کو احسن کی خیریت معلوم ہو جاتی ہے۔ شام کا وقت پائین بارغ کے صحن میں کرسیاں لگی ہیں اور حامد کے خاص خواص ارجار پہنچے ہوئے ہیں۔

ایک۔ آج بڑے میر صاحب جلد گہر میں تشریف لے گئے۔

حامد۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ میرے احباب آگئے، اس موقع پر اکثر وہ چلے جاتے ہیں۔

دوسرا۔ ہاں مسٹر حامد اب زیادہ اشتیاق نہ بٹھراؤ۔ احسن کا وہ خد کہان ہے۔

حامد۔ ذرا اور انتظار کر لیجئے۔ ابھی مسٹر ابراہیم آئے۔ خط میں خاں انہیں احسن نے بہت یاد لکھا ہے۔

دوسرا۔ انہوں نے کئے کئے بچے آئے کا وعدہ کیا ہے۔

حامد۔ ٹھیک آٹھ بجے۔

دوسرا۔ کیوں بھائی، رشید، یہاں کا نام ہے (ذرا گھڑی دیکھنا۔ کیا؟ آٹھ نہیں بجے۔)

رشید۔ (بڑی دیر دس منٹ باقی ہیں۔) حامد سے) ہمارے دوسرے منظور بڑے باہر ہاتھ ہیں۔ انہیں صبر کرو، مالک نہیں ہو۔

منظور (دوسرے کا نام ہے) تم لوگ عاشق مزاج نہیں، اور بندہ عاشق مزاج حامد۔ لیجئے چاکر آگئی، اب دور چلے، ابراہیم آتے ہی ہوں گے۔ ہاں،

عاشق مزاج دوست کو صبر کرنا چاہیے۔ بھیری سو تمام محنت رائگان جاتی ہے، سب اس پر ہنسنے لگے، لو کر کے ہر ایک کو چاکر کی پیالیاں دیں۔

رشید۔ داند چار بھی عجیب نعمت ہے۔

منظور۔ مگر آتش سال سے بڑھ کر شین۔

حامد۔ (مسکرا کر) پیر یاد آئی۔

منظور۔ ہاں سے زاہد و آج ہر چین وہ نے، جس سے تم کو ہے پیر یاد آئی رشید۔ جاڑے تک تو صبر کرو۔

منظور۔ بقیر و ن کو صرہ علیہ السلام۔ جب اس کجخت چار کو پتیا ہوں، بیساختہ یاد

رستیدر سیاد کے کی وجہ ہے۔ ہر رنگ ہی ذائقہ اور خوشبو اس سے عمدہ اور خوشگوار
گرمی ہی پیدا کرتی ہے۔ کیونکہ یا اس کے علاوہ کچھ اور بھی۔

منظور۔ یہ سب کچھ نہیں۔ چینی کی پیالیوں میں دو تو البتہ زیادہ آئے۔ یہ کجخت
شیشے کی پیالیاں تھان سائے آئین۔ اور انہیں بے دودھ کی سرخ سرخ چاء
چپکلی، سپر اس آب طربناک کی یاد کرن روک سکتا ہے۔ اللہ آئندہ ان پیالیوں

میں چاء نہ دیا کرو۔ اچھی خاصی طبیعت بچین کرنے سے کیا فائدہ
حادثہ بہت خوب اب یہی ہوگا۔ (ابرار ذاعل ہوتا ہے)۔
رشد۔ آئیے آئیے بڑی دیر سے ہلوگ منشد تھے۔

حادثہ۔ آج تو واقعی تم نے خلاف امید بہت ریر کی۔
ابرار۔ ہاں کچھ دیر ہوئی۔ راستے میں منے مرزا مل گئے، انہیں چند خط انگریزی
میں لکھوائے تھے وہ بھی پڑھ کر گھر لے گئے۔ اس قدر چڑ زیادہ دیر ہوئی۔
منظور۔ خیر گزشتہ رات احوال، آئیے چاء نوش کیجئے۔

ابرار۔ یہائی احسن کا وہ خط لانا۔

حادثہ۔ ہاں ہاں چاء تو پی لو، میری ویسٹ کوٹ کا جیب میں موجود ہے۔

بھون نے جلدی جلدی پچاؤ ختم کی اور اب سب احسن کا خط سننے کے لیے
ہمہ تن گوش ہو گئے۔

”خط“

پارک اسٹریٹ نمبر ۲۰ لندن ۲۴ جنوری

مائی ڈیر حامد

مشرق کے تمام وقیانوسی اور برائے غیر مذہب خیالات پر لعنت بھیج کر،
آؤ مغربی انداز سے شیک ہینڈ (مصافحہ) کریں۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ
متین جلد سے جلد منڈن کے حالات لکھوں گا۔ لیکن کچھ ایسی عظیم الفرضی رہی
کہ اب تک کچھ نہ لکھ سکا۔ امید کہ تم اس ناگزیر التوا کو معاف کرو گے۔ میں

ابھی ابھی سب کی تلافی کئے دیتا ہوں۔ لو سنو۔
 آج صبح سے سخت بر فباری ہو رہی ہے۔ دن کے بارہ بجے ہیں، ہر طرح
 اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ میں آستان کے قریب بیٹھا ہوا ہوں۔ میرے کچے
 اکیڑ جن برنگڑی کی بوتلیں چنی ہیں۔ ایک میسر پر کھلی ہوئی رکھی ہے۔ تھوڑی
 تھوڑی بیٹا جاتا ہوں اور تمہیں یہ خط لکھ رہا ہوں۔
 یار تم بڑے بد نصیب ہو۔ کیوں؟ اس لیے کہ صاحب دولت ہو کر طلسم خانہ
 لندن کی سیر سے محروم ہو۔ بھائی جان یہ عجیب جگہ ہے۔ تم نے اکثر لمبی دائری
 والے بیوقوف مولویوں سے اُن کی خیالی جنت کی تعریف سنی ہوگی۔ وہ
 سب بیان کے پرفضا باغ، بیان کے جنت، اور بیان کے لطف کے آگے
 پہنچ ہے۔ بھلا بھلا فرنگ اور حوروں سے کیا نسبت۔ حوروں میں یہ سلیقہ،
 یہ نزاکت، یہ انداز دلجوئی کہاں۔

بیان کے باشندے عموماً نہایت رنگین مزاج، خوش پوش، خوش
 خوراک، اور آزاد طبع ہوتے ہیں۔ ہمارے ہندوستانی بیوقوفوں کی طرح
 بیان شراب جو حقیقتاً غذا ہے روح ہے۔ ممنوع نہیں۔ لوگ عام طور
 سے استعمال کرتے ہیں۔ کوئی جلسہ، کوئی موقع، کوئی وقت، کوئی کام
 ایسا نہیں ہے جس میں بادہ و ساغر کی ضرورت نہ ہو۔ چوتھے بچوں کو بھی
 اس کے مفید اثر سے محروم نہیں رکھا جاتا۔ ان کیلئے منٹھا پون اور کیک
 میں تھوڑی سی ملا دی جاتی ہے۔ غرض کہ بیان کی زندگی شراب،
 اور شراب بیان کی زندگی ہے۔ واقعی ہونا ہی چاہیے۔ کیونکہ ایک سر در ملک
 میں انفرادہ طبیعت اور ٹھنڈے ہاتھ پاؤں سے کیا کام کیا جاسکتا ہے۔ جنتک
 آتش سیال سے خون رگوں میں دوڑا کر دماغ روشن نہ کیا جائے۔

تعلیم کا اصول بھی بیان ہندوستان کی طرح دل اور دماغ خواب کر دینے
 والا نہیں ہے۔ کہ خواہ مخواہ بیٹھے ہوئے تاریخ، منطق، فلسفہ یا اقلیدس
 رٹ رہے ہیں۔ بیان کھیل کود، گاؤں ناچ، گناد پیکو، اور اسی ضمن میں
 پڑھو ہی۔ ہر جگہ دُور اور غرق مغرب موجود، استاد اور شاگرد ایک ایک

گلاس لیتے جاتے ہیں، سگار پی رہے ہیں۔ اور سبق چور رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیان باوجود اعلیٰ تعلیم کے دماغ پر کچھ پار نہیں پڑتا۔

بیوقوف ہندوستانی جوئے کو معیوب سمجھتے ہیں۔ مگر یہاں ایسا نہیں ہے۔ اور ہونا بھی نہ چاہیے۔ کیونکہ یہاں ہندوستان کی طرح غیر مذہب، شور و غل و بالا، اور خالی زمین پر جو انتہیں ہوتا۔ اور نہ یہاں اسکو کوئی ذریعہ محاش بناتا ہے۔

یہاں لوگ تقریباً کھلتے ہیں۔ شروع شروع میں ہندوستان سے آیا تھا مجھے سخت وقتیں پڑیں، کیونکہ نہ تو مجھے تاش اور گنجیف آتا تھا اور نہ انڈا وغیرہ دوستوں کے جلسوں میں شرمندہ ہونا پڑتا۔ لیکن اب رفتہ رفتہ سب کچھ سیکھ گیا۔ تمہیں یہ سن کر تعجب اور مسرت ہوگی کہ گزشتہ اکتوبر کی دس تاریخ کو میں نے ۱۱ پاؤنڈ گنجیف میں جیتے۔ عزیز من یہ قمار بازی نہیں ہے۔ اسمین بہت سے فوائد ہیں، اس کے ذریعہ سے بڑے بڑے لوگوں سے ملاقات ہوتی اور راہ و رسم پڑھ جاتی ہے۔

اسیان کی عورتیں ہندوستانی عورتوں کی طرح صرف گوشت اور استخوان کا ایک تو وہ نہیں ہیں بلکہ وہ نہایت تعلیم یافتہ ہیں۔ انہیں ہندوستانی عورتوں کی طرح کاہلی (جسے تم نزاکت کہتے ہو) بڑی دلی (جسکا نام اوصاف نسوانی ہے) اور بجا شرم (جسکا غلط نام عفت ہے) نہیں ہوتی۔ دو بکریوں جاؤ تمہیں اسے گہری بی بیع مثالیں ملین گی کہ بیگ صاحب نے خاوندان اٹھایا تھا کہ کلائی اکھڑ گئی، سیرون مومیائی مالش کر دی گئی۔ ہزاروں حکیم صاحب کی نذر ہوئے۔ آخر میں سول سرجن کے دو ٹیپنے کے علاج کے بعد صحت ہوئی شب کو ایک چپائی نکالیں تو دو دن تک سو رہی کی شکایت رہی۔ رات کو اٹانے بڑے جن کا قصہ بیان کیا تو بیگ صاحب کو ڈر کے مارے تیرہ نہیں آئی۔ مرغی ذبح ہوئے جو دیکھ لی تو خفقان کی بہاری پیدا ہو گئی۔ کسی غیر شخص کی آواز سن لی تو بس چھوٹی موٹی ہو گئیں راستے میں گاڑی کی جھلکیاں گر پڑی تو غش آ گیا یہاں کی عورتیں ایسی نہیں ہوتیں۔ بڑی بڑی درخشین کرتی ہیں، منوں بوجھ لیکر ہاروں کے دشوار گزار راستوں پر کھٹکھٹ پڑ جاتی ہیں۔ چار چار سیڑیوں اور سیرون میوے صرف ناستے

میں جپ کر جاتی ہیں۔ افریقہ کے خوفناک ریگستانی جنگلوں میں بے سہارا تھی اور گیتھو کا شکار کرتی ہیں۔ تنہا تمام دنیا کا سفر کرتی ہیں۔ ہر کام میں مردوں کے صفت نہ صفت رہتی ہیں۔ بلکہ بعض موقعوں پر ان سے بھی بڑھ جاتی ہیں۔
 یہاں کے مرد بھی ہندوستانیوں کی طرح شک کے نیلے، غصہ ورا اور ظالم نہیں ہوتے، انہیں اپنی عورتوں سے کبھی بدگمانی نہیں ہوتی، ایک کی بیوی دوسرے کیساتھ برسوں سفر میں رہتی ہے، بہار میں تفریح گاہوں میں جاتی ہے، کھیلوں میں شریک ہوتی ہے، مگر کیا محال کہ شوہر کے دل میں ذرا بھی بدگمانی ہو۔
 ہندو میں جو ایک عورتیں اگر ایسی ہی نسل آئیں جن کے قدموں کو نعرش ہونے لگی، تو ان کی سزا صرف طلاق ہے اور کچھ نہیں۔ ہندوستانیوں کی طرح نہیں کہ ذرا سا شک ہوا اور ناک اڑادی، گلا کاٹ ڈالا، چہرہ بھونک دیا۔ لاجوں لا۔ اس سے زیادہ جہالت کی مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔

یہاں کی عورتیں ہم غیر ملک والوں کو بہت پسند کرتی ہیں۔ اور سچی صفائی سے ملتی ہیں۔ غیر ملک اور غیر مذہب والوں سے بے بشر طبع وہ اعلیٰ کتابتوں، یہاں شادی کرنا، جو محبوب نہیں ہے، اس وقت شاید ہی ٹوٹی الیا، نصیب ملا، پسند نہ کرنا جو کورٹ شپ میں مشغول نہ ہو، یہاں کینہ، انوں کی ایک بے شکمی، انوں سے کہ ادھر، انوں سے کہ یہاں، اور دیکھتے ہوئے جو کئی۔ اب دیکھو کس کس کے قصص میں یا ان سے بدلہ لینا۔
 میں نے یہی سمجھ کر لیا ہے کہ ضرور یہاں شادی کرونگا۔ کیونکہ ہندوستان کی کافی کلوٹی، غیر مذہب، باہل، بے قلع، بد صورت، چڑیل سے میرا دل نہیں بھرا سکے گا۔

میں نے کہا تھا کہ اگر ابھی لندن جا رہے ہیں۔ واقعی نہایت سرت ہوئی، کاشا دیا ہی تھا، نہیں سیری طرف سے چھ باتیں بہاد۔
 انکی شادی تو ہو گئی ہے۔ بہتر ہوتا کہ وہ سنہ بیوی کے یہاں آئے، اگر انہوں نے ایک گاہ کو بڑی بڑی سوسائٹیز میں ان کی رسائی ہو جائے گی اور بڑی قدرت ہوگی۔ تھوڑے دن، جو کہ یہاں ایک جنگلی بابو موجود

بچوں کے آئے تھے، تم خیال کرو۔ ایوان شاہی میں انہوں نے برابر دعوتیں
اڑائیں۔ اور ان کی بیوی کیوجہ سے ان کی سجدہ قدر ہوئی۔ آجکل وہ اپنی دو
جوان لڑکیوں کو بیان ایک انگریز دوست کی نگرانی میں چور کرہندوستان
واپس چلے گئے ہیں۔ ان کی بڑی بڑی ناظرین ہو رہی ہیں، اور بڑے بڑے
امرا اپنے ساتھ تاجے کا انتخاب کر رہے ہیں۔

بیان کی عورتیں مشرقی عورتوں کی عفت کی بوجہ مشتاق ہیں۔ اور انکی
بیکسی کے قصے سن کر نہایت مشتاق ہیں جن میں جانا ہوں کہ ابراہام کو اس میں
کامیابی ہوگی، کیونکہ ابھی جنگ ملک الموت کی ایک کھری تو جس نے ہوں
ہندوستان ان متعصب لڑہوں سے پاک نہیں ہو سکتا۔ انہیں لازم ہو کہ
اس کام کو پوشیدہ طور پر کریں اور کسی کو اطلاع نہ دیں۔ کیا تم انہیں اپنی
مدد نہیں دے سکتے کہ مجھے سے اپنے ساتھ اس کی بیوی کو بھیجیں تاکہ ہونا وہ
جہاز پر سوار ہو جائے کہ بعد میں کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر مجھے اطلاع ملی تو
سب چیزیں آکرے گا۔ نے کے لئے تیار ہوں آئندہ موسم بہار میں میرا ارادہ
پیرس کی سیر کا ہے۔ پیرس یورپ کی جنت ہے۔ اور جس وقت فیشن کی جان۔
کھا اچھا ہوتا کہ اس وقت تک ابراہام ان مع اپنی بیوی سے ہونچ جاسکتے۔ اور
ہلوگ انکا ہاتھ بغل میں داب کر فخر اور افتخار کے ساتھ اس پر لطف سیر کے
مزے اڑاتے۔

ابراہام کو یہ خط ناروا، اور ان کے ارادے سے مجھے مطلع کرو۔

تم ہر خط میں خواہ مخواہ اور امان جان کا تذکرہ کیا کرتے ہو، کیونکہ
اگر تم جانتے ہو کہ مجھے بد مزہ کہ تو انہیں بجائے جو ان کے قریبی
میں رہا کرو۔ یہ ایسے جاہل، غیور، مذہب اور ستم دل لوگوں کا کردار
کا قانون کہ تم کو یہ پوچھا نہیں چاہتا۔

حلقہ اتنا ب میں میری یاد تازہ کرو تمہارے لئے ایک رجب ۱۲۵۷
میں اور تمہارے قریبی رہا کروں بھیجتا ہوں۔ امید ہے کہ پورے کام یہ تحفہ
تمہیں پسند آئے گا۔ ولڈن سلیر (سنہری جوتیاں) چوکیں اور ہینس

بھی کی گئیں، میرا شکریہ قبول کرو۔ تم نے اب تک آم اور انناس کامریہ نہیں کھیا، جلد بھیجو، بعض لیڈیوں سے میں نے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ ڈاک کا وقت قریب ہو، اسلئے اور بائین دوسرے خط کیلئے محفوظ رکھنا ہوں۔

میں ہوں تمہارا دوست صادق

احسن

خط کے تمام ہونیکے بعد کچھ دیر تک بالکل خاموشی رہی۔ آخر رشید نے کہا، "واللہ اس خط نے تو یورپ کی سیر کا اشتیاق دوں کر دیا۔ کیون بھائی ابراہیم تم کب جاؤ گے۔"

ابراہیم سر دہ کے ساتھ آیا تھا کون میں اپنے بس کا ہوں۔ ابا جان کی رائے پھر کچھ غلطی ہوئی نظر آرہی ہے۔ کوئی چار یا پانچ دن ہوئے احسن کے باپ گھر پر آئے تھے، انہوں نے خدا جانے کیا کہ سن دیا کہ وہ بالکل ہی مخالف ہو گئے۔ تاہم میں نا اُمید نہیں ہوں۔

منظور۔ اور جو کچھ لطف ہے اُسکا کیا کہنا، سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ وہاں ہزاروں کم کی سڑا میں ہوتی ہیں، ایک سے ایک اچھی، اور پھر اس پر وہ کہہ سکتے ہیں کہ انڈیا میں نے میری دعا سن لی، اور وہاں پہونچا دیا۔ تو بس مڑی تھ جائیں گے منزے۔ بیٹے کا کیا ذکر ہے۔ تو سہی کہ شراب سے غسل نہ کیا اس پر سب ہنس پڑے اور حامد نے کہا "ارے بھائی یہ تو بیان بھی ہو سکتا ہے۔ پانچ چھ روپے کی دلیبی شراب منگالو۔ اور ایک ٹکے میں ملا دو۔ بس اللہ اللہ خیر سلا۔ یہ بھی نہیں تو محکمہ بکاری میں نوکری کر لو، روز ایک آدھ حوض میں غوطے لگالیا کرنا۔ منظور۔ لا حول ولا قوۃ۔ یہی سے مجھے سخت نفرت ہے۔ وہ نہ پیا گھوڑے کا پشاپ پیا۔"

رشید بابا لگے نہ شیخی کرنے، ہمیشہ ولایتی ہی تو بیٹے ہو گے۔

ابراہیم خیر ان فغول باتوں کو جانے دو۔ ہاں (حامد سے) تو اب کب احسن کو جواب دو گے۔

حامد۔ کل ہی خط لکھنے کا ارادہ ہے۔ مریے آج میں نے منگالے ہیں۔

ابرار۔ انہیں میری طرف سے بہت بہت سلام شوق کے بعد لکھ دینا کہ دعا کریں کہ
مجھے میرے ارادوں میں کامیابی ہو۔ اگر جی چاہئے تو اباجان کا بھی مختصر حال لکھ دینا۔
حامد۔ اچھا۔ ہاں بہائی ایک بات تم لوگوں سے دریافت کرنا چاہتا ہوں۔
ابرار۔ وہ کیا؟

حامد۔ کلاریٹ جو انہوں نے بھیجی ہے۔ یہ تو شراب نہیں ہوتی، کیونکہ منظور
بتا رہا خیال کیا ہے۔

منظور۔ اسے شراب کون موقوف کہتا ہے۔ ایک مفرح عرق ہے۔
ابرار۔ نہیں بھائی کلاریٹ، شیرمی، برگنڈی، پورٹ، سمپن، آیا پانا روم
لیکے سیر یہ سب شرابیں ہیں۔

منظور۔ معقول۔ شراب کی تعریف یہ ہے کہ اس میں شکر ہو۔ انہیں سے کسی میں
شکر نہیں ہوتا۔ خفیف سی خون میں گرمی ہوتی ہے۔ اور طبیعت خوش ہو جاتی
ہے۔ بس۔ وجہ یہ ہو کہ انہیں الکحل (روح الخمر) مطلق نہیں ہوتا، اور اگر
ہے بھی تو بہت ہی کم مقدار میں جو کسی قسم کی مضرت نہیں پہنچا سکتا۔ البتہ جنہیں
الکحل زیادہ ہو وہ شرابیں ہیں۔ اور ان سے مضرت بھی پہنچتی ہے۔ اس لیے
وہ ممنوع اور حرام کی گئی ہیں۔ مثلاً وِسکی، برانڈی، جن وغیرہ
حامد۔ تو کیا کلاریٹ پی سکتے ہیں۔

منظور۔ بے لاگ، اور بغیر کسی فتوے کے۔ بس یوں سمجھو کہ جیسی تاڑی ہے
وِسی ہی یہ شرابیں، تاڑی اور بنیہ کا پینا کسی حالت میں ممنوع نہیں۔ بڑے
بڑے مفسر، ایسی داڑھی والے مسلمان جیتے ہیں، اور بڑے بڑے مولویوں
کے فتوے موجود ہیں۔

رشید۔ ہاں جیسے شراب الصالحین حلال ہے۔
منظور۔ بس بس۔

حامد۔ مگر شراب الصالحین میں تو کوئی کیفیت نہیں ہوتی۔ اور تم کہتے ہو کہ
انہیں کچھ اثر ہوتا ہے۔

منظور۔ ہاں اثر ہوتا ہے۔ مگر نہیں بکے برابر۔

حامد۔ تم جانو، عذاب، ثواب، تہادی گردن پر ہوگا۔
منظور۔ ہاں ان میرا دم۔ آئندہ ہفتے تک پونج جائے گی۔
حامد۔ امید تو ہے۔

چھٹا باب

چھ سات ماہ تک پھر کوئی ایسی قابل الذکر بات نہیں ہوئی۔ جس سے ہمارے
ناول کو خاص تعلق ہوتا۔ موسم بہار میں ایک شام کو محسن پارک میں جہان وہ اندر
تفریح کو جا پا کر تھا، ایک بیچ پر بیٹھا ہوا ہے۔ غروب ہوتے ہوئے آفتاب
کی لگی زرد شعاعیں، نرم شاداب اور گہری سبز گھاس کے میدان پر پھیلی ہو
ہیں۔ لوگوں کا ہر طرف ہجوم ہے، کچھ چل قدمی کر رہے ہیں۔ بعض شکستہ کرگے
اور بچوں پر بیٹھ گئے ہیں۔ ایک طرف بال ہو رہا ہے، بچے خوش خوش خوش چل
میں مشغول ہیں۔ اس کوئی لڑکھو کا غول ادھر ادھر گھوم رہا۔ کسی نے سب
توڑ لیا، کوئی گھاس پر دوڑ گیا، کسی نے کسی کو ڈھکیل دیا، کسی نے کسی
ٹوٹی اچھال دی، کوئی مارٹر کی شکایت کر رہا ہے، دوسرا اس کی تعریف
کرتا ہے۔ لیکن امتحان کے سوالات کا ذکر ہے۔ کہیں کسی بچہ کٹ کے سہا
مشکل ہونے پر مباحثہ ہے۔

اسی غول کے چند لڑکے اس طرف سے گذرے، ایک جلد ہر محسن بیٹھا ہوا تھا، محسن
ہی سب کے سب ٹھہر گئے، اور تین چار نے ہم آواز ہو کر کہا آج تو سینوں سے
ملاقات ہوئی، تم تھے کہاں۔ محسن ہیں مسکراتے ہوئے۔ اور بولا "اے تم لڑکے
کہاں نکل آئے۔"

ایک۔ ہم لوگ تو برابر گھومنے بیان آئے ہیں۔

محسن۔ مگر آج کے سوا میں نے تم کو کبھی نہیں دیکھا۔

دوسرا۔ کیا تم روز آتے ہو۔

محسن۔ ان قریب قریب روز ہی آتا ہوں۔
 عیسرا۔ تب تو یہ اتنی تعجب ہے، یا ہم اندھے یا تم اندھے۔
 پہلا۔ کہو کیا کرتے ہو، تم اس کو اس سے کون غائب ہو گئے۔
 محسن۔ تباہ کن گا۔ تم اس کو مل جائے ہو۔
 چوتھا۔ ان یا ہم سب جا رہے ہیں۔ تم نے نام کیوں کٹوا لیا۔
 محسن۔ اب اطمینان سے بیٹھو تو بتائیں۔ دو سر کی باتا رہ کر کے، محمود تم کو بالکل
 صاحب بہار بن گئے، کوٹ تیاہوں، تیر خیر، ہیٹ بھی لگائے گئے۔
 محمود۔ اور تم نے یہ اپنی حالت کیا بنا رکھی ہے؟ اس کو کھانا پانا دے سب سے پہنچ گئے۔
 چوتھا۔ یہ سب باتیں پھر کر لینا، ان ذرا جلدی سے تیار کر کے اس کو مل گیا، چھوڑ دیا۔
 محسن۔ سزا سزا کر، تم تیری جلدی نہ لگئی، اسی وجہ سے تو صاحب نہیں آتا۔ بھائی
 اب میں تم پر بڑھتا ہوں۔ بیٹھو تو ساری حالت بیان کر دوں۔ تم سب تو جانتے تھے تباہ
 چوتھا۔ بیٹھے کون۔ پارک گھر میں گھسیٹے گھسیٹے کہہ کر، پتھر لٹا، ہمارے ساتھ چلو۔
 محسن۔ میں پھر لگا کر تھک چکا ہوں۔
 عیسرا۔ یہ یوں نہیں بایں سر، انہیں زبردستی لیچو، (وہ بچے کی طرف اشارہ کر کے)
 تم ایک ماہر پکڑو، دوسرا میں پکڑتا ہوں، بس ابھی تو یہ چلتے ہیں۔
 (دو لوگ ٹھٹھٹے پڑے)
 محسن۔ ابھی بھائی میں چلا۔ (پکڑ کر) چلو، ہر چلتے ہو۔
 محمود۔ کہہ کر گراؤ، (ابھی اشارہ کر کے) اس طرف گھومیں۔
 (سب کیلئے اچھا، بچے، تیرا)
 محمود۔ مجھے ہمارے اس اگر گئے پا جائے پر بڑی ہلسی آتی ہے۔
 دوسرا۔ اسے بیان یہ تو جتنا ہی ہندوستانی پہنچ رہے ہیں۔ میں نے ابھی دیکھا۔
 عیسرا۔ سرے یا کوئی نہ۔ (پکڑ رہے ہیں، کیوں محمود؟)
 محمود۔ اس کے لیے، یہ یہ بالکل بھلی ہو گئے۔ اچھا ہے ان سے یہ تو پچھو کہ انھوں نے
 اس کے ان کیوں پھوڑا اور پھر یہ کہا ہے میں۔ انگریزی یا پھر اور۔
 محسن۔ بھائی، انگریزی بڑھتا ہوں۔ ایک ماہ صاحب پچھائے آتے ہیں۔

تیسرا۔ کیا پرائیوٹ انڈنس کے امتحان دینے کا ارادہ ہے۔

دوسرا۔ یاد ہونہ ہوبات ہی ہے۔

محسن۔ میں انڈنس کا امتحان نہیں دوں گا۔

محمود۔ پھر گھر پر انگریزی کیوں پڑھتے ہو۔

محسن۔ انگریزی زبان سیکھنے کے لیے۔

چوتھا۔ جب امتحان ہی نہیں دینا ہو تو پھر انگریزی زبان سیکھنے سے کیا فائدہ۔

محسن۔ اچھا تم لوگ اسکول میں کیوں پڑھتے ہو۔

تیسرا۔ انڈنس، ایف اے، بی اے، پاس کرینگے اور کیوں پڑھتے ہیں۔

محسن۔ پھر اس کے بعد۔

چوتھا۔ اس کے بعد کیا۔ یہی نوکری کریں گے، وکالت کریں گے۔ نام پیدا کریں

دولت حاصل کریں گے اور کیا کریں گے

محسن۔ مجھے وکالت اور نوکری دونوں نہیں کرنی ہوں۔ اسیلے میں پاس کرنا نہیں چاہتا

محمود۔ اچھا پھر کیا کرو گے؟

محسن۔ میرا ارادہ تجارت یا زمینداری کرنے کا ہے۔

محمود۔ تو پھر کیوں نہیں کہتے کہ دیاسلائی بیچو، بلی چلاؤ، لٹکا۔ ہاں اس کیلئے کہ

امتحان کے پاس کرینگے ضرورت نہیں۔ پھر انگریزی فضول پڑھتے ہو، اسے ہی چھوڑ

چوتھا۔ ہاں دیاسلائی بیچنے یا بلی چلانے میں انگریزی جاننے کی کیا ضرورت۔

محسن۔ (مسکراتے ہوئے) دیاسلائی بیچنا، بلی چلانا، غلامی سے تو کمین اچھا ہے۔

محمود۔ کیا نوکری غلامی ہے۔

محسن۔ بلکہ غلامی سے بھی بدتر۔

محمود۔ یہ تو گجڑی کلکٹر، تحصیلدار، نائب تحصیلدار، سب رجسٹرار، تھانے

ہیں۔ کیا یہ غلامی کرتے ہیں۔ واہ میان محسن واہ، تم تو اسکول میں بڑے تیز

لیکن آج معلوم ہوا کہ دماغ میں گوبر بھرا ہوا ہے۔

محسن۔ (مسکراتے ہوئے) تم ماشاء اللہ بڑے تیز ہو گئے ہو۔

چوتھا۔ خیر تعریف پھر کیجے گا۔ پہلے جواب دیجئے۔

محسن - ہاں یہ سب غلامی کرتے ہیں۔ یہ سب اپنے افسروں کے غلام ہیں۔ جو افسر حکم دے
اسہیں جبکہ مار کر مارا ہوگا۔ چاہئے اس کے کہنے کو جی چاہے یا نہ چاہے۔

محمد - سطرچ تو دنیا میں کوئی دشانی نہیں ہے۔ ہر شخص کو کسی نہ کسی کا حکم ماننا ہی پڑتا ہے۔

محسن - وہ دوسری بات ہے۔ اور یہاں دوسری حالت ہے۔ مان لو کہ ایک ڈپٹی ملکر کے

سر میں درد ہوا یا بخار آ گیا۔ یا کسی دوست کی خادی بیاہ یا اور کسی فقیر میں شریک

ہو تا ہے۔ اب جیتنگ افسر چھٹی نہ دے وہ مل نہیں سکتا۔

جو تھا۔ ہاں یہ شک ہو تا ہے۔ اسے چاہیہا میں سدا، رخصت اور میں، انکا اکلوتا بیٹا مر گیا۔

مگر ٹی نہ ملنے کی وجہ سے وہ نہ آسے دیکھ کے اور نہ دفن میں شریک ہو سکے۔

محسن - اب بتاؤ۔ اسوقت اٹکا دل کیا کہتا ہوگا۔ اور انہیں نے انکرن کو کتنا برا سمجھا ہوگا۔

اگر اسوقت وہ تاجر ہوتے، یا زمیندار ہوتے تو فوراً اسکے تھے۔ انہیں کون روکتا۔

محمد - تاجر ہوتے تو دوکان یا کارخانہ بند کرنا پڑتا۔ کیا اس میں نقصان نہ ہوتا۔

محسن - ہوتا۔ مگر انکرن کا اسہ نہ کیا۔ نوکری میں ہی تو چھٹی۔ ایچے تو تخواہ کٹ جاتی ہے

اور پھر یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ وہ دوکان یا کارخانہ کو کسی اور پر چھوڑ کر اپنے آسے۔ نوکری

میں ایسا کام ہو سکتا ہے۔

تیسرا - اچھا یہ سب ٹھیک ہے۔ پھر تم انگریز کی زبان پڑھتے ہو۔

محسن - بادشاہ کی زبان ہے۔ اور بغیر اس کے جانے کام نہیں چا سکتا۔

محمد - تو کیا خالی انگریزی پڑھتے ہو یا پورا کورس۔

محسن - مجھے کورس پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ جتنا حساب، روزمرہ کے کام میں آتا ہے وہ

جانتا ہی ہوں اب خالی انگریزی تو مان سیکر رہا ہوں۔ انا تو ہو گیا ہر کہ جیسا خط کو کہہ دوں۔

ایک سال اور پڑھنے کے بعد جو درد ہوگا۔ اس عرصہ میں اچھی طرح آجائیگی۔

محمد - اچھا اسکول چھوڑنے کی وجہ تو یہ میں آگئی۔ اب اس لکھ چاہئے کی کیا وجہ ہے۔

محسن - (مسکرا کر) تمہارا سوال ختم نہیں ہوئے۔ یہ لباس جو تم پہنے ہو کسا لباس ہے۔

محمد - ہمارے بادشاہ کا لباس ہے۔

محسن - ہاں یہ ٹھیک ہے۔ لیکن میں یہ تو چھ رہا ہوں کہ یہ تمہارا قومی لباس ہے کہ نہیں۔

محمد - قومی لباس کیسا؟

محسن۔ لیکن ہمارے باپ دادا بھی یہی لباس پہنا کرتے تھے۔

محمود۔ وہ تو نہیں پہنتے تھے۔

چوتھا۔ ارے میان اسوقت برٹش گورنمنٹ کہاں تھی جو یہ لباس پہنا جاتا۔

محسن۔ (مسکرا کر) اچھا دادا کے زمانہ میں نہ یہی باپ کے زمانے میں تو تھی۔ لیکن ان کے باپ بھی کوٹ پتلون پہنتے یا ہیٹ لگاتے ہیں۔

محمود۔ ہاں وہ تو نہیں پہنتے، پھر اس سے کیا۔

محسن۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ لباس ہمارا نہیں ہے۔ ہم ہندوستانی، ہمارے باپ دادا ہندوستانی پہرہ اپنا لباس چھوڑ کر انگریزوں کا لباس کیوں نہیں۔

محمود۔ آخر اس میں ہرج کیا ہے۔

محسن۔ کیوں نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ہرج نہیں سمجھتے تو ہر انگریزوں کی طرح شادی بیا

کرو۔ وہ شراب اور بیکن استعمال کرتے ہیں تم بھی استعمال کرو، چہرے کاٹنے سے کہ

کہاؤ۔ پردہ سسٹم چھوڑ دو۔ گر جے میں جا کر عبادت کرو۔ آخر یہ سب کیوں نہیں کر

تیسرا۔ ہم ہندوستانی ہو کر یہ سب نہیں کر سکتے، وہ عیسائی ہیں، ہم مسلمان یہ

کیونکر اختیار کر لیں۔

محسن۔ جب ہندوستانی ہو کر یہ سب کچھ نہیں کر سکتے تو پھر انکا لباس بھی پہنو۔

تو ہمارا لباس نہیں پہنتے۔ نہ تمہاری طرح رہتے ہیں، نہ دیکھا دکھاتے ہیں، نہ آسٹری

شادی بیاہ کرتے ہیں۔ پہرہ کیوں ایسا کرتے ہو۔

چوتھا۔ اس میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ ہمیں اپنے قدم بعد میں چلنا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں

محسن۔ یہ بات بھی غلط ہے، وہ ہرگز خوش نہیں ہوتے۔ تم انکی تقاضا کرتے ہو وہ کیونکہ

خوش ہو سکتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا ہندوستانی لباس کتنا آرام دہ ہے

جس طرح میں پا جامہ پہن کر اٹھ بیٹھ سکتا ہوں۔ تم پتلون پہن کر تو ذرا اٹھو بیٹھو۔ کالرس

کتنی تکلیف ہوتی ہے مگر دن کسی ہوئی ہے، اندر بھر سکتے ہیں، اندر دھر۔ جو۔

کو دیکھو تو دس منٹ سے کم میں بائندھ نہیں سکتے۔ ان تمام خرابیوں کے علاوہ رو

بھی زیادہ صرف ہوتے ہیں۔ جتنے میں بیک اچھا سوٹ بٹا ہے اتنے میں کم سے

دس جوڑے اچھے ہندوستانی کپڑے تیار ہو سکتے ہیں۔ جتنا ایک کالر کا دام ہوتا

محسن۔ بڑی خوشی ہوئی۔ اگر تم سب بھی میرے لیے خیال کے ہو جاتے۔
چوتھا۔ تمہاری بہت سی تو باتیں سمجھ میں آئیں۔ دیکھو میں آج رات کو ابا جان۔
تمہاری ملاقات کا ذکر دلگا۔ دیکھیں تمہارے خیالات کے متعلق وہ کیا کہتے ہیں۔
محسن۔ بھائی محمود تم بھی کچھ سمجھو۔

محمود۔ ہاں ضرور سمجھا۔ اسپر خور کر دلگا۔ کبھی کبھی ملا کر وہ تم نے تو مٹا ہی چھوڑ دیا ہے۔
محسن۔ میں بیان اکثر آجاتا ہوں۔ یہی ملاقات کی سب سے اچھی جگہ ہے۔ دگڑی
سات بجتے ہیں۔ آج زیادہ دیر ہو گئی۔ شاید ماٹریس اب آگئے ہوں۔ اچھا اب رخصت
محسن بھون سے رخصت باری باری ہاتھ ملا کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

ساتواں باب

یوسف پر اس فکر میں تھا کہ محسن کیلئے کس تجارت کا انتخاب کرے، اس
احمد حسین کو بھی متاثر خطوط لکھے کہ وہ دو ایک دن کیلئے چلے آئیں اور باہم صلاح و مشور
سے کوئی تجویز کیا جائے۔ مگر احمد حسین کچھ ایسے ضروری کاموں میں بھٹکتے رہے کہ اب
مہلت نہ مل سکی۔ کوئی ایک تہہ کا عزم نہ ہوا کہ احمد حسین کی ولایت سے بیڑی پھری پاس کرے۔
اس آگیا۔ مگر وہ گھر پر والدین سے ملنے تک نہ آتا۔ انگلیں راز میں پیکر لگے
سکونت اختیار کر لی ہو۔ یوسف نے صاحبزادے کی نالائقی کا سارا حال اس سے
لکھا اور ان پر بہت زور دیا کہ جلد محسن پر دو ایک دن کے لئے چلے آئیں۔ کچھ
کی گاڑی سے وہ آئے ہیں۔ دن کے دس بجے ہیں۔ احمد حسین کو ان سے ناراض
آرام کرسی پر لیٹے ہوئے عقدہ پیر رہے ہیں اور یوسف تو یہ ہی کہ ایک دن پر بھیجا ہو
یوسف۔ صاحبزادے بڑھاکر اپنے کمرے میں آئے۔

احمد حسین کو گھوڑی لیکر اور خاصہ سوار ہو کر گئے قبا خانہ اور
میں اعتدال کے دن واپس ہی حالت یہ سفر میں کوئی سفر تھا۔ طبیعت اس قدر
ہے کہ معلوم ہوتا ہے ہفتوں سفر کیا ہے۔

یوسف۔ دن کے چار گئے۔ صبح اور طبیعت صحت ہو گئی ہو۔

احمد حسین۔ نہیں بہائی میرا درجہ تو خانی تھا۔ کچھ دیر کیلئے نیند بھی آگئی تھی اس پر یہ حالت ہو۔ اگر نہ سویا ہوتا تو خدا (جانے) کیا حال ہوتا۔

یوسف۔ ریل کے ہچکولوں سے بھی تکان آتی ہے۔
احمد حسین۔ بھائی جان ہچکولے وچکولے کچھ نہیں۔ سارا سبب ضعیفی ہے اور بس۔
یوسف۔ سچ ہے، اب ایک طرف اور ضعیفی ایک طرف۔ اچھا اب تم تھوڑی دیر آرام کرو۔ جارنجے پھر باتیں ہوں گی۔

احمد حسین۔ ہاں مہرور! ایسا ہی کرنا پڑے گا۔
یوسف۔ اچھا تم آرام کرو۔ میں اب گھر میں جاتا ہوں
چار بجے یوسف باہر آیا اس نے احمد حسین کو نماز میں مشغول پایا۔ نماز ختم ہو جانے کے بعد یوسف نے پوچھا: اب مزاج کیسا ہے؟
احمد حسین۔ بد مزاجی ہے، بالکل اچھا ہوں۔
یوسف۔ اے لوکر کو حقہ لانے کے لیے حکم دیا۔ حقہ آیا، اور احمد حسین نے دو چار کش پیکر کھا کر، مانی مانی بن تیار ہوں۔
یوسف نے لوکر کو آواز دیا۔

لوکر۔ (گھر میں آکر) ار۔۔۔ مہرورہ
یوسف۔ اگر کوئی مجھے ملے اسے تو لہذا اس وقت ضروری کام میں مشغول ہیں، مل نہیں سکتے۔

لوکر۔ بہت خوب (جانتا ہے)۔
یوسف۔ اب اطمینان سے گفتگو ہو گئی۔ ہاں بھائی تو تم نے عمن کیلئے کیا سوچا ہے۔
احمد حسین۔ تم نے مجھے کچھ بتور کیا ہے۔

یوسف۔ میں کیا بتور کرتا۔ میں نے نہ تجارت کی، اور نہ اس کے رحوں کو سمجھ سکتا ہوں۔
احمد حسین۔ انا حاکم قسم کرتا تھا۔ سارا سچ ہے۔ ایک تو غیر ملکیوں کی مصنوعات منگا کر فروخت کرتا۔ اور دوسرے اپنے اپنے ملک کے اشیاء کی تجارت۔ انہیں جو تم سمجھ سکتے ہو۔
یوسف۔ یہ ایک بڑا مشکل سوال ہے۔ کوئی تجھ پر اسے کب پسند کرے گا وہ اپنے
.....
.....
.....

نے ہمیں قدم قدم پر غیر ملک کی مصنوعات کا محتاج بننا رکھا ہے۔

احمد حسین۔ صحیح ہو۔ آج غیر ملک الون کے ہاتھ ادنیٰ قیمت لیکر روٹی، چڑا، سن، کلڑی وغیرہ بیچتے ہیں۔ اور پھر انہیں چیزوں کو ان سے بخوشی دس گنی قیمت دے کر خریدتے ہیں۔ اس انقلاب کا تو صدیوں میں علاج ہو گا۔ سر دست اس سے قطع نظر ہی مناسب ہو۔ ہاں تو ہماری اسے غالباً یہ ہو کہ غیر ملکوں کے مصنوعات کی تجارت کی جائے، کیوں؟

یوسف۔ یہی کرنا پڑیگا۔ کیونکہ ہماری ملکی تجارت تو بالکل مردہ ہو رہی ہے، اسیوں کیا خاک فائدہ ہو گا۔

احمد حسین۔ مگر بھائی میں اس کے خلاف ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ یہ ملک مصنوعات کی تجارت زیادہ رائج ہے۔ مگر یہ حقیقتاً تجارت نہیں، دلالی ہے۔ ہر ایک شخص سے اس کے گھر کی بنائی ہوئی چیز خریدتے ہیں اور دوسرے کے ہاتھ کچھ نفع الیکر بیچتے ہیں اس میں کیا خاک نفع ہے۔ اور فرض بھی کر لو کہ ہے تو اس سے ہمارے ملک کو کیا فائدہ ہو چکا۔ یوسف۔ ہم اس قابل ہی نہیں رہے کہ اپنے اہل ملک کو فائدہ پہنچا سکیں، اگر ہر شخص جانتا ہے کہ روزمرہ کے استعمالی کپڑے جو بیچ رہے اور جرمنی وغیرہ سے آتے ہیں اگر ہندوستان میں آتے تو اہل ملک کو کتنا فائدہ ہو چکا۔ ہزاروں کارخانے کھلتے ہمارے سیکڑوں بیکار بھائی امنین کام کرتے، مگر کارخانے قائم ہوں تو کسے مشینہ کہاں سے آئیں۔ انہیں ایجادوں کرے، کپڑے کیونکر بنے جاتے ہیں اسے کیوں سیکھیں، اور اگر سیکھنا بھی چاہیں تو بتائے کون۔ ایک مجبوری ہی مجبور ہوئے ہمارے ہیں۔ احمد حسین۔ میں ان تمام مشکلوں کو سمجھ چکا ہوں، لیکن ابھی ایسی تجارتیں موجود ہیں جو ہمیں اور ہمارے اہل وطن کو فائدہ پہنچا سکیں۔

یوسف۔ مجھے تو امید نہیں ہے کہ ایسی کوئی تجارت باقی رہ گئی ہو، اور شاید اگر کوئی ہو تو وہ سرسبز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ہمیں۔ کیونکہ ہمیں غیر ملکی تجارتوں سے مقابلہ کرنا ہو جن کی کامیابی کا راستہ ملین ہیں۔ اور انہیں کسے ہم محتاج ہیں۔ ہاتھ اور کل کی بنا ہوئی چیزیں بازار میں ایک دوسرے کے مقابلہ پر کیونکر بھیجی جاسکتی ہیں۔

احمد حسین۔ یہ بالکل درست ہو۔ ایسی تجارتیں جنکا انحصار ملکوں پر ہے ابھی ہمارے

لئے مفید نہیں۔ بلکہ ہمیں ایسے ذرائعے سوچنے چاہئیں کہ بغیر کون کے ہم کوئی مفید اور فائدہ بخش کام شروع کر سکیں۔

یوسف - مشکل ہی۔ بعض دستکار بیان ہیں۔ مگر تجارت تو ایسی کوئی نہیں ہے۔
احمد حسین - تم نے خیالات دور دور تک دوڑائے ہیں اور اس پیش با اقتادہ بات پر غور نہیں کیا ہے۔ میں اس وقت گہی کی تجارت کو ہندوستان کیلئے بہترین تجارت خیال کرتا ہوں۔ وہ وہاں کوئی مسقدر جنگا ہوتا جاتا ہے اور پھر خالص نصیب نہیں ہوتا خدا جانے چربی، مونگ پھلی، کاتیل اور کیا اتم غلہ ملا جاتا ہے اگر اصلی اور خالص گہی ملے تو ہم آپ کچھ زیادہ قیمت دیکر بخوش لینے کیلئے تیار ہو جائیں۔

یوسف - ہاں یہ صحیح ہے۔ مگر یہ کوئی عمدہ تجارت نہیں۔
احمد حسین - تم نے ابھی اس کے ہر ایک پہلو پر غور نہیں کیا ہے۔ اس میں سجد فوائد اور آسانیاں ہیں۔ اتنا تو تم فوراً سمجھ لو گے کہ اس کیلئے کسی قسم کے کل کی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری بڑی ہندوستانی کلین لینے، ٹھکانا اور مقصد کی اکثر بیاں کافی ہیں اور کسی چیز کی حاجت نہیں۔ دوسرا امر یہ ہے کہ حقوڑے روپوں پر یہ شروع کر کے اعلیٰ پیمانہ پر پونچائی جاسکتی ہے۔ اور جلد۔ تیسرا خیال ایک اور ہے جو سب آخر میں بیان کروں گا۔

یوسف - یہ شہر میں تو شروع کی نہیں جاسکتی، اس کے لئے دیہات ضروری ہے اور بہار کا دامن اور دریا کا کنارہ نہایت موزون۔

احمد حسین - پہاڑ اور دریا اس قدر ضروری نہیں ہے جتنے دیہات لازمی ہے۔
یوسف - مگر سوال یہ ہے کہ چارے کا انتظام کیا ہوگا۔ مثلاً قرص کر لیجئے۔ آپ کے پاس تین چار سو گائے اور بھینس ہیں تو یہ سال بھر کیا کھائیں گی، ممکن ہے برسات کے تین مہینوں تک انہیں چارہ کی قلت نہ ہو، لیکن نو مہینے کی طویل مدت کے لئے کیسا ہوگا۔

احمد حسین - ہمیں اس کے لئے چربی کی کاشت کرنا ہوگی۔ اور اس صورت سے نو ماہ کا چارہ ہر سال قبل ہی سے ہبا کر لیا جائیگا۔ دیہاتوں میں بکثرت ایسی زمینیں ہیں جنہیں اوسر یا خجور کہتے ہیں، جنہیں کسی قسم کا غلہ نہیں پوٹا جاتا۔ ایسی زمینیں

تھوڑی سی محنت کے بعد چری کی کاشت کے قابل ہو سکتی ہیں۔

یوسف - ہاں یہ صورت ہو سکتی ہے۔

احمد حسین - تم جانتے ہو عموماً بھینس کتنا دودھ دیتی ہے۔

یوسف - جان تک میں خیال کرتا ہوں پندرہ بیس سیر روزانہ دیتی ہے۔

احمد حسین - پندرہ کی اوسط ٹھیک ہے۔ اور یہ مقدار دودھ کی وضع حمل

تین چار ماہ قبل تک رہتی ہے۔ اس مدت کے بعد بھی یہ نہیں ہوتا کہ دودھ بار

ختم ہو جائے۔ بلکہ بچہ ہونے کے کچھ دنوں قبل تک دودھ ہوتا ہے۔ جسے بھینس

یا بیٹنوس پوتے ہیں اور یہ زیادہ تر کہو یا بنانے کے کام میں لایا جاتا ہے۔

یوسف - ایک سیر دودھ میں سے کتنا گھی نکالا جاسکتا ہے۔

احمد حسین - کم از کم ایک چٹانک، اب اسی پر حساب لگاؤ کہ ایک بھینس

دودھ سے روزانہ کتنا گھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

یوسف - کتنے دنوں کے بعد بھینس دودھ دینے کے قابل ہو جاتی ہے۔

احمد حسین - پیدائش سے زیادہ سے زیادہ تین برس بعد۔

یوسف - اور کچھ کب دیتی ہے ؟

احمد حسین - ہر دوسرے سال۔ اب تم نے غور کیا کہ سمین کتنے فائدے مند

اسی اور سنو۔ اس کی کوئی شے بیکار نہیں جاتی۔ گوہر سے نفیس اور عمدہ کھاد

محنت کے تیار ہو سکتی ہے۔ مرجائے تو کھال اور ہڈیاں ہمیں کچھ نہ کچھ دے جاتی

بھینسون (تر بھینس) کو تم فروخت کر سکتے ہو۔ غرض کہ ہمارے تو ایک محنت

یوسف - گائے کا دودھ عمدہ ہوتا ہے یا بھینس کا۔

احمد حسین - بھینس کا دودھ گاڑھا ہوتا ہے۔ مگر زیادہ مفید گائے کا ہے۔

یوسف - بھینس زیادہ قیمتی ہوتی ہیں کیا یہ کام گائے سے نہیں لیا جاسکتا

احمد حسین - ہاں بھینس کا دام عموماً گائے سے زیادہ ہوتا ہے۔ چونکہ بھینس

زیادہ دیتی ہے اسلئے میں نے اُسے گائے پر ترجیح دی، ورنہ عمدگی اور نفاذ

گائے کے گھی کے آگے بھینس کا گھی کچھ نہیں ہے۔

یوسف - تم نے دیکھا ہو گا آجل ہندو اخباروں میں گاؤ کشی کے انسداد کی

کوشش کی جا رہی ہے۔ ہمارا اس کے متعلق کیا خیال ہے۔

احمد حسین۔ بجائی میں بھی اس انسداد کا حامی ہوں۔

یوسف۔ تم حامی ہو! مسلمان ہو کر۔

احمد حسین۔ معقول! مسلمان ہوں تو کیا ہوا اگر کوئی اچھی بات ہو تو اُسے نہ ماننا چاہیو۔

یوسف۔ آخر مسلمان کاؤ کتنی کیوں چھوڑ دیں۔ خواجواہ ٹورانے دھکے کھائے زبردستی۔

احمد حسین۔ ہلوگ ایسی حکومت میں ہیں کہ درادھکا کر یا زبردستی ہم سے کوئی کام نہیں لیا

جاسکتا۔ بلکہ اُسکے اسے چھوڑ دیں کہ اس میں ہمارا اور کیا کافائدہ ہے۔

یوسف۔ ختم کیا؟

احمد حسین۔ راجہ دن کا یوں کہہ دو تو بچ ہوا نیسے ایک تو یہی نقصان پہنچ رہا ہے

کہ لگی اور دودھ روز بروز گر ان ہوتا جاتا ہے۔ اگر آج ان میں لگی ہو جائے تو یقینی مردہ

اور گھئی کی اڑانی ہو۔

یوسف۔ لیکن مسلمان بہت زیادہ نہیں کرتے۔ انگریز فوج جن بھی تو یہی احتمال ہوتا ہے

صاحب لوک کیوں چھوڑیں گے

احمد حسین۔ وہ چھوڑیں تو چھوڑیں۔ ہمارے چھوڑ دینے سے کچھ تو کمی پوری ہوگی۔

یوسف۔ پھر چیز اگر ان ہو جائیگا۔

احمد حسین۔ آدھ تو لیا ہو نہیں سکتا۔ مردہ گائے کا پیر کا کام میں لایا جاسکتا ہے۔ اور

اگر ہو ہی کیا تو کیا مضائقہ ہے۔ اس میں ہماری کون زندگی کی ضرورت آئی ہوئی ہو۔

یوسف۔ مردہ جانور کا چیرا بیکار ہو جاتا ہے۔

احمد حسین۔ یہ بستی سنائی باتیں ہیں۔ کون کتنا کہتا ہے کہ بیکار ہو جاتا ہے۔

یوسف۔ اس طرح سے جو ان کی زیادتی ہوگی تو کدوا کو کھانے لگے۔ ان کی کھانے سے وہ

حالت میں تو بہتر ہو جائیگا۔ اکثر لوگوں میں ہمارے کی قلت کی وجہ سے ہر سال ہجرت ہوتی ہے۔

احمد حسین۔ ان کا یہ انتظام ہو سکتا ہے۔ کہ ہر مینا اپنے اپنے چھوڑ دینے سے بچ سکے۔

وقت نہ کر کے پھرنے کی شکایت پیدا نہیں ہو سکتی۔

یوسف۔ یہ سب اعداد و شمار ہیں۔ ان میں بقیہ عید کی قرانی کیسے مسد

کر دیا جائے گی۔ سال میں ایک بار تو ضرور ہی ہجرت ہو جائیگا۔

احمد حسین۔ کیا گائے کی قربانی فرض ہے،
یوسف۔ نہیں فرض تو نہیں ہے۔ دنیہ، بھیڑی، بکری، اونٹ سب ذبح کئے جائے
ہیں۔ مگر ایک رسم کا خیال ہے۔
احمد حسین۔ رسم کا خیال، یہ خوب کہی۔ جس رسم کا میں اتنا خیال ہوں، تم جانتے ہو کہ
مادی برحق نے اُس کے شعلہ شاد فرمایا ہے۔
یوسف۔ جناب رسول نے کیا فرمایا ہے۔

احمد حسین۔ تم اس مشہور اور متبرع حدیث کو نہیں جانتے، ”مُحَمَّدٌ الْبَقَرَاءُ“
مَعْنَاهُ ذَا اَمْرٍ وَ لَبَّاهُ شَفَاعٌ۔ آگائے کا گوشت بیماری ہے۔ کبھی دوا ہے
(دودھ شفا ہے) صرف یہی ایک نہیں بلکہ ایسی بار بار آج حدیثیں ہو، دہین۔ اور جب
رہوی تقہ ہیں۔ حضرت علیؓ کے بھی اس کے شعلہ اقوال موجود ہیں۔ اب تہذیب
فیصلہ کرو کہ جس کے گوشت کے شعلہ رسول خدا کا یہ ارشاد ہوا اس کی قربانی کہ
مناسب ہے۔ کوئی شک نہیں کہ گائے کا گوشت حرام کر دیا جائے، لیکن اسی حالت میں
گھی، مکھن سب چیزوں سے محروم ہو جائے کیونکہ پیروہ بھی حرام تھے، محض اس
سے خدائے آسمان حرام نہیں فرمایا۔ اور اپنے رسول کو یہ حکم دیا کہ اُس کے گوشت کو
سے تبرع فرمائیں۔ تاکہ مسلمان اس سے بچیں اور برہنہ کریں کہ اور گھی دودھ وغیرہ
فائدہ اٹھائیں۔ یہ تو جو کچھ کہا مذہبی خیالات سے تھا، اب اگر طباً دیکھو تو اُس کے گوشت
یہ تعریف ہے۔ غیر طبی ذرا اس لفظ پر غور کرنا، غیر طبی مان۔ صخر اور ریاح۔
خون پیدا کرنے والا، سمجھ، اور سنو، آشوب چشم، درد سر، درد دندان، بواسیر
پیدا کرتا ہے۔ (یوسف کی گھبراہٹ سمجھ کر) ابھی سب سے زیادہ ملک اور قاتل صفت
نے بتائی نہیں اور تم پریشان ہو گئے، اُن کے کہتے ہیں جانتے ہو؟
یوسف۔ نہیں میں نہیں جانتا۔

احمد حسین۔ آگاہ اگر تیری میں اسے کفر کہتے ہیں۔ یہ ایک زخم ہوتا ہے جو منہ پر
ہو جاتا ہے۔ پہلے دانت کی جڑ یا گال میں اندر کی طرف ذرا سی جلد چل جاتی ہے۔
پھر صخر نام چیز کے گوشت کو سڑا دیا ہے۔ زخم میں بعض ایسی ہوتی ہے کہ
بناہ، بیمار کے کمرے میں ٹھہرایا اُس سے بات کرنا غیر ممکن رہنے رفتہ زہر خون پر

کرتا ہوں اور ہر مریض کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہ کجخت مرض اکثر بلکہ ہمیشہ انہیں کو ہوتا ہے جو لوگ عموماً گاگے کا گوشت استعمال کرتے ہیں۔

یوسف۔ تم نے طبیعت پریشان کر دی۔ آج۔ سے میں بھی کبھی نہ چھوؤں گا۔

احمد حسین۔ نہایت خوشی کی بات ہے۔ مسلمانوں میں اعلیٰ طبقہ کے لوگ تو اسے کھاتے ہی نہیں، ادنیٰ درجوں میں اس کا زیادہ رواج ہے۔

یوسف۔ عام طور سے ہندو تو یہی درجہ کے لوگ کھاتے ہیں۔

احمد حسین۔ گھی اور دودھ کی ارزانی کے علاوہ اور یہ فوائد ہیں کہ ملک میں میل زیادہ ہونے اور ان سے زراعت میں ترقی و مدد ملے گی۔ ہمارے ہندو بھائی ہمارے اس شریفانہ فعل سے کس قدر خوش ہونگے، ان سے کہنا اشد بڑھچائیگا۔ اور اسے ان کے ہندوستان کے جھگڑوں کا ہمیشہ ہمیشہ خاتمہ ہو جائیگا۔ اس اتحاد اور یکجہتی سے جو کچھ ملکی ترقیاں ہوں گی انہیں بخوبی سمجھ سکتے ہو۔

یوسف۔ صحیح ہے۔ مگر مزید جانتے ہیں کہ ہندو اور زبردستی مسلمانوں سے اس اختیار کو چھین لیں۔ یہ انکی ایک بد نظمی کا غلطی ہے۔

احمد حسین۔ اگر انکا ایسا خیال ہو تو بیک غلط ہے۔ کیونکہ جو کام صلہ و شفقت اور میل جول سے ہو کر جانتا ہو وہ زبردستی اور جبر سے نہیں ہو سکتا۔

یوسف۔ ہندوؤں کو لازم ہو کہ وہ ہجرت کی غرت انگیز رسم کہ چھوڑ دیں۔ ہندو مسلمان عام طور پر ذاتی بھی متروک نہ رہتے۔ یہ ان کی بہترین اور وہ اپنے سے بہتر۔

احمد حسین۔ اس بات کے معقول ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔ لیکن میں تو مسلمانوں کو یہ ملانے دوں گا کہ وہ اپنا اختیار نفس دکھائیں۔ اور اپنے ہندو ہم سایہ کو

تباہ بن کر ہم نے اس رسم کو بالکل بے فائدہ و بے اثر سے چھوڑا ہے۔ انہیں خود غرضی کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ ہمارے ہندو بھائی یہی شریف ہیں وہ ضرور شرافت کا

جواب نہ لاف سے دینگے۔

یوسف۔ خیر۔ اس میں ہنسی کیا اسے ہی محسن سے اس تجارت کے متعلق رائے

ہوں۔ اس پر یہ کہ وہ پسند کرے کیونکہ اس کا یہاں میں جی بھی بہت لگتا ہے شہری زندگی سے بہت کم پسند ہے۔

احمد حسین - ضرور پوچھو۔ بلکہ میرے سامنے پوچھو۔ اگر اُسے اطمینان نہ ہو تو وہ سمجھا دوں گا۔

یوسف - ہاں اجاب یہ بتاؤ کہ احسن کے پاس جانا چاہئے یا نہیں۔ اسکی والد نے تو میرا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ جب سے اُسکے آنے کی خبر سنی ہو وہ نے وہ بڑا حال کمرڈالا ہے۔ کہتی ہیں کہ اگر تم نہ گئے تو میں خود چلی جاؤں گی۔

احمد حسین - محسن ملے گیا تھا۔

یوسف - ہاں اُس کیساتھ سردھری کا برتاؤ کیا۔ اور اپنی ماں یا میرا کسی کا حال نہیں پوچھا۔

احمد حسین - اسقدر دماغ خراب ہو گیا ہے۔

یوسف - لیکن باوجود ان تمام باتوں کے محسن کی والدہ ویسی ہی پریشان نہیں۔

احمد حسین - محبت مادر ی عجیب ہے ہوتی ہے۔ خیر جلد ہم تم دونوں چلیں۔ دیکھو حالت ہے۔ ممکن ہے اُسے اسکا رنج ہو کہ اعتراضات میں بھی لکمی لکمی دخلوط ہی بند کر دے۔ وہ ہندوستان میں واپس آئے یہ بھی کسی نے خبر نہ لی۔ اس طرح یہ شکایات رفع ہو جائے گی۔

یوسف - اب اسوقت تو شام ہو گئی۔ کل صبح چلیں۔

احمد حسین - ہاں اور کیا۔

آٹھواں باب

دوسرے صبح کو ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد، ظم ظم پر سوار ہو کر احمد حسین یوسف احسن کے بنگلہ کی طرف روانہ ہوئے۔ قریب قریب بائیکل راستہ تھا۔ خاموخی سے ملے ہوئے دونوں گہری فکروں میں مستغرق تھے انگلش کو اور ٹرینوں کے بعد یوسف نے کہا، مسٹر فاکس کے بنگلے کے قریب محسن نے بتایا تھا۔

احمد حسین - ہاں۔ (سائین بورڈ پر دھک کر) مسٹر فاکس کا بنگلہ تو وہ ہوا اپنی طرف۔

محسن۔ ان اسی کے قریب ہی کہیں ہوگا۔
 علم کرم اور کچھ دوبرہائی گئی۔ احمد حسین نے کہا "وہ کیا ہو؟" اسن بار ایلٹ لا
 تو صاف نکلا ہوا ہے۔ دو لڑکے اور بڑے اور سائیس کو کھڑکے کھڑکے کھڑکے کھڑکے
 سایہ میں کھڑکی کر دے۔ سنے کی طرف بڑھے، خادم ان کو کھڑکے کھڑکے کھڑکے کھڑکے
 آیا، اور سودا بانہ سلام کے بولا۔ "کار کو صاحب سے کچھ کام ہے،
 یوسف۔" صاحب کے اٹھ بڑے گیارہ لڑکے لاکر "تمہارے کالے پٹھے" اے صاحب
 کہاں ہیں، نیچے میں ہیں؟
 خادم۔ صاحب نیچے میں ہیں۔ آپ اپنا ٹوڈ دین اور میں اطلاع کر دوں۔ صاحب کا
 حکم ہے کہ بڑا اطلاع کوئی کمرے میں نہ آئے۔
 یوسف۔ وہ کمرہ کون ہے جس میں صاحب ہیں۔
 خادم۔ حضور ہی سامنے والے کمرے کی بغل میں۔ اگر حضور کے پاس ہارڈ ہوں
 تو مجھے نام بتا دیں میں جا کر اطلاع دے دوں۔
 یوسف۔ ہرقت، ہمارے لئے اطلاع ملی ضرورت نہیں۔
 یہ کہ یوسف اور احمد حسین جلد جلد آگے بڑھے اور نوکر کے کمرے کی سیٹیل
 کمرے میں داخل ہو گئے۔ اسن اندر منیر کے پاس بیٹھا ہوا ہے لکھ رہا تھا۔ یوسف
 اور احمد حسین کو اس طرف درانہ کمرے میں آئے دیکھ کر آئے۔ ہو گیا، جھنجھکا کر یوسف سے
 مخاطب ہوا اور بولا، ابال بھی افسوس ہے کہ آپ بغل اطلاع کمرے میں چلے آئے۔
 یوسف۔ ہاں ہمے اطلاع کی ضرورت نہیں تھی۔
 احسن۔ کسی شخص کے رائیوٹ کمرے میں یوں جلا آجاحت بدبھیدی ہے۔
 افسوس آپ لوگو، تعلیم، تہذیب سے باطن واقف نہیں ہیں۔
 یوسف۔ (احمد حسین سے) واقعی خریب ولایت جا کر باگل ہو گیا، آپ دیکھتے
 ہیں اسی شک مزاج رو بہ اصلاح نہیں ہو۔
 احسن۔ ایک تو آپ بغل اطلاع کمرے میں چلے آئے اور اب مجھے باگل بنا رہے
 ہیں۔ میں اس قدر رشتہ دار نہیں ہر داشتہ نہیں کر سکتا۔ ہر باغی قمر کر آپ
 مجھے بتائیں کہ آپ کی تشریف لائے کی غرض کیا ہے؟

یوسف - تمہاری کوئی عرض نہیں ہے، اور نہ دیکھنا کسی سمجھدار کو کوئی عرض ہوتی ہے۔
 احسن - دیکھئے! باجان اب آپ کی تو بین ناقابل برداشت ہوتی جاتی ہے میں اس قدر
 عرض کر رہی ہوں کہ اگر آپ کو کوئی ضرورت نہیں ہو تو میں اپنا قیمتی وقت
 فضول ہر نوعین ضائع کرنا پسند نہیں کرتا۔

یوسف - تمہیں ضائع کرنا ہوگا۔

احسن - آپ کو ایسا کہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

یوسف - نہ ہو (ڈنڈا اٹھال) لیکن اب میں زبردستی یہاں آکر رہنا چاہتا ہوں گا اور اس
 ڈنڈے سے پید آکر دوں گا۔

احسن - کیا آپ اس مداخلت سے باز نہیں آئیں گے۔

یوسف - ہرگز نہیں۔

احسن - تو کیا مجھے پولیس سے مدد لینے کی ضرورت پڑے گی۔

یوسف - مگر مدد لینے سے قبل تمہاری پسلیاں تو مگر دی جائیں گی۔ ناخلف،
 مردود، بچھ، ایسا کہتے شرم نہیں آتی۔

احسن - احسن تمہاری کیا حالت ہو۔ باپ کیساتھ ایسے الفاظ کہنا مہذب
 ملکوں کی ہی تعلیم ہے، شرم کرو، شرم ایمان سے انسان گئے تھے، مگر افسوس وہاں
 سے سخت بد تہذیب اور کٹاں جیواں بنگر گئے ہو۔

احسن - آپ کو اپنے اعزاء اور اپنے چاہنے والوں کی نصیحت کی ضرورت
 نہیں ہے، اور نہ آپ کو ایسے سخت اور خراش الفاظ استعمال کرنے کا کوئی حق ہے
 افسوس ہے اس وقت نڈر نہ ہو اور نہ آپ کو معلوم ہو کہ کسی عقل مند کیلئے ایسے
 الفاظ ناپائیدار ہیں۔ کائنات کا قانونی جرم ہے۔ آخر آپ کیا چاہتے ہیں؟
 یوسف - کہہ نہیں، صرف تمہاری توہین۔

احسن - آپ میرے والدین یا سید بہ سے مجھے آکا خیال کرنا بڑا بد ورنہ میں بتا
 دیتا کہ آپ بکر بن کر وہاں پہنچنا اور وہاں سے مدد لینے کی کون دفعہ عاید ہو سکتی ہے۔

یوسف - ایسے ناخلف کا باپ دنیا بدترین ذلت ہے، میں ایسی توہین گوارا
 کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔

احسن - میرے بیٹے ہی ایسے شخص کو بابا کہنا جو اس قدر اُن بیوی زانمزد (غیر مرد) پر موت سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ میں اپنے بیٹوں سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتا۔
 یوسف - ہاں ان میں ہر دو میں سے ایک باپ یا چچا، آج سے مجھے کچھ کوئی تعلق نہیں، میری جائیداد میرے ایک باپ یا چچے سے نہیں ملے گی۔
 احسن - مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ بس اب آپ کو اس تشریف لے جانے اور مجھے لو کروں کو چھوڑ دینا۔

یوسف - (دکڑا ہوا) اب بھائی! کوئی بیٹا تو کیا بنا لیتے ہیں۔

احسن - کیا آپ لوگ فوجدار تو بننے کا ارادہ نہیں۔

یوسف - اگر ضرورت ہوئی تو ایسا ہی کیا جائیگا۔

احمد حسین - احسن تم کس سے یہ نظام بھادوڑ کیا کر رہے ہو؟ میں نے ان ہتھیلیوں سے بنا دیا، اس سے اس طرح مخاطب ہونا یا ہے۔

احسن - یہ مجھ کے ان اساتذہ ہیں۔ سزاؤں کا فرض تھا، ادھر اسے فرض کے بعد احسان بتانا خاص ہے۔

احمد حسین - بس بس زبان کو لگا دو۔ زیادہ بات آپ کی زبان پر نہیں۔

احسن - خیر اب تشریف لے جائیے، میں دکھا دوں گا کہ کسی خطلمین کی توہین کرنے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔

احمد حسین - تم ضرور دیکھنا اور ہم ضرور دیکھیں گے (یوسف سے) بھائی جان پہلو اور آج سے مجھ کو کہ تمہارا ایک ہی لڑکا ہے۔

یوسف - ہاں میں اپنی تمام جائیداد میں کو دید و نگاہ میں نہیں چاہتا کہ میری حلال کمائی سوکے گوشت اور شراب میں صرف کی جائے۔

احسن - مجھے مطلق پروا نہیں ہے۔ بس اب زیادہ الفاظ سننا نہیں چاہتا۔
 (یوسف اور احمد حسین جاتے ہیں)

میرم صاحبہ جو دوسرے کمرے میں بیٹھی ہوئی یہ سب باتیں سن رہی تھیں، ان کے چائے بوری احسن کے پاس آئیں اور اس طرح پوچھنے لگیں۔
 احسن - میرے کون ان بیوی زانمزد لوگ تھے۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ تم نے اُن

عُبک دھنٹا کیوں کیا۔ ٹم کو اُن پٹا جوڑ دینا چاہیے تھا۔

احسن۔ ڈارلنگ (جائین) میں نے اُنکی معافی کا خیال کیا ورنہ تم دیکھتیں کہ اُن خون سے تمہارے پیارے کپڑے کتنا سرخ ہوتا۔

میم۔ نہیں تم نے کتنی (غلطی) کی، ایسے بگڑے (بدحاش) نامعقول کی بھی نرا۔
بیرا اُن کو کمرے میں بگیر (بغیر) اجابت (اجازت) کیوں آنے دیا۔ برائے لالنگ
(نالا لائق) ہے، اسکو موقوف (موقوف) کرنا چاہیو۔

احسن۔ اُن میرا بھی ہو رہا ہے تو (گھنٹی بج رہی ہے) وہ یہ رائے آتا ہے، دل تم سور
مافک اُن کا لالہ آئی کیوں کمرے میں آئے دیا۔

بیرا۔ حضور میرا کوئی قصور نہیں ہے، میں رگبہ۔ نوٹھا کہ اتنا نام تھائیے، وہ لوگ
زبردستی کمرے میں لگے تھے حضور میں لگیا، وہ آئی، میں لگا کر سکتا تھا۔
میم۔ کچھ نہیں، تم کیوں آنے دیا۔ ویم لہڈی، (معقول) تم کو کہنا چاہیے تھے
کہ صاحب کا حو کم (حکم) نہیں ہے۔

بیرا۔ حضور میں نے کہا تھا، وہ وہ بولے کہ ہلو اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔
میم۔ سور کا جی، تم یہ کام موقوف کر دینے لایا (راؤت) لایا۔

بیرا۔ نہیں حضور میں یہ قصور ہے۔
میم۔ اچھا دیکھو اب اگر عداوت سے کوئی ملے آئے تو لکیر اجابت کمرے میں مت آ
دینا۔ وہ شرارت کرے تو پولیس کو دیدو۔
بیرا۔ بہت بہتر حضور۔

میم۔ اچھا جاؤ۔ (جاتا ہے) ڈیرا احسن کیا تمہارا یہ باب تھا۔
احسن۔ اُن ڈارلنگ، اولڈ اسکول کا آدمی ہے۔ اد۔ بالکل ان سیوی انیزڈ۔

میم۔ یہ انڈین فوس (ہندوستانی بیوقوف) بڑا پاجی ہوتا ہے، یہ کیوں آیا تھا۔
احسن۔ تجھے ملنے کیلئے، میرا پورہ ارادہ ہے کہ اسپر کیس جلاؤں

میم۔ حذر جلاؤ تاکہ کالا آدمی سمجھ جائے کہ صاحب لوگ کا انسلٹ کرنے کا
رہرک (دشمن) ہوتا ہے۔

احسن۔ اُن ڈارلنگ میں ایسا ہی کرونگا۔ اچھا اب تم جاؤ مجھے کچھ کام کرنا ہے

(جانی ہے)

(بیر اندر اگر ایک کارڈ دیتا ہے)

احسن - سلام بولو اور آنے دو۔

سرا - (باہر جا کر) صاحب سلام کہتے ہیں، مگر میں جاوے

احسن - کھڑے ہو کر اور آنے والے سے ملو تاکہ

حامد - ڈیر احسن بہت اچھا ہوں۔ تمہارا مزاج کیسا ہے؟

احسن - نہیں دیکھ کر کمال مسرت ہوئی، اور اس سے بھی زیادہ مسرت ہوئی اگر کبھی تک تم مجھے ریسپو (لینے) کرنے آتے۔

حامد - مجھے خود اس کا افسوس ہے اباجان کا انتقال اس قدر بے موقع ہو کر دکھی، زو دل ہی میں رہی۔

احسن - (مسکرا کر) ہاں وہ مرنے کیلئے بھی مناسب انتخاب نہ کر سکے، آخر ہندوستانی

نہ، خیر وہ مر گئے یہی کم عقلمندی نہیں کی۔ میں روز تمہارا منتظر رہتا تھا۔ اب اب بھی اس

درمیان میں کئے بار آئے میں نے اُن سے کہا تھا کہ میری طرف سے معذرت کریں

حامد - ہاں انہوں نے کہا تھا، میں خود سمجھ گیا تھا کہ ضروری انتظامات میں مصروف ہوں

مجھے کوئی شکایت نہیں۔ اب اب تو نہیں فرصت ہو گئی ہوگی۔

احسن - ہاں فی الحال جن انتظامات کی ضرورت تھی وہ سب انجام پا گئے۔ اور تمہاری

تندرستی کچھ خراب ہو گئی تھی کیا۔ تم بہت دبلے معلوم ہوتے ہو۔

حامد - ہاں ادھر میری صحت کچھ خراب ہو گئی ہے۔

احسن - ہندوستان کی آب و ہوا ہی ناقص ہے۔ یہاں صحت کا خراب ہونا البتہ

تعجب کی بات ہے۔ دیکھو میں اب کیا حشر ہوتا ہے، ابھی اس منحوس زمین پر قدم رکھ

ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں ہوا مگر تندرستی میں انقلاب شروع ہو گیا۔ میں صاحب کی

طبیعت تو جتنی بھی سے خراب ہے۔

حامد - کیوں خیرا۔ خدا کی تائید ہے۔

احسن - صحت ہمارے، اُن کا بہت گھٹ گیا ہے اور وہ بہت متفکر ہیں۔ اگر یہی

حالت رہی تو مجھے مجبوراً پھاڑ پھانسا جانا پڑے گا۔

حامد۔ ہاں ابھی گرمی ہے۔ اگرچہ اگست کا مہینہ شروع ہو گیا۔
 احسن۔ گرمی ہے اسخت گرمی ہے، سرد ملک کے رہنے والے اسے ہرگز بردا
 نہیں کر سکتے۔

حامد۔ بن سیم صاحب کی زیارت کا مشتاق ہوں۔
 احسن۔ (مسکرا کر) اچھی بات ہے، ابھی وہ اخبار پڑھ رہی ہیں۔ ہم حقوڑی دیر
 کھانے کے میز پر ملین گے۔
 حامد۔ اتنا انتظار، خیر اب تم کچھ مختصر طور پر ان کی کیفیت بیان کر دو۔
 احسن۔ ہندوستانی طور پر۔

حامد۔ (مسکرا کر) ہاں بھائی ابھی تو یہی مناسب ہے۔
 احسن۔ یہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہیں۔ ان کے باپ منیچر ہیں ایک بڑے
 کارخانے کے منیجر ہیں۔ حسن ظاہری کیساتھ حدانے حسن باطنی بھی دیا ہے، یہی ایک
 وصف تھا جس نے مجھے اسکا گرویدہ کر دیا۔

حامد۔ کیا مسلمان ہو گئیں؟
 احسن۔ نہیں وہ اپنے مذہب پر قائم ہیں۔
 حامد۔ کیا بہت کم سن ہیں۔
 احسن۔ ان کم سن ہی سمجھنا چاہیے، مگر ہندوستان کے معیار سے نہیں
 یورپ کے معیار سے،
 حامد۔ یعنی۔

احسن۔ بیان چودہ سے لیکر سولہ سترہ برس تک عورت کم سن خیال کی جاتی
 مگر یورپ میں ایسا نہیں ہے۔ وہاں اس عمر کی عورتیں بچہ سمجھی جاتی ہیں۔ کم سن
 عمر میں اور تیس کے درمیان ہے۔ اور جوانی تیس سے لیکر چالیس
 پینتالیس تک۔

حامد۔ اس وقت تک تو بیان پڑھی ہو جاتی ہیں۔
 احسن۔ ہاں اب وہ وانا قص ہوئے کیوجہ سے۔
 حامد۔ اچھا تو ان کی عمر کیا ہے۔

احسن - تیس اور بیستیس کے درمیان -

حامد - ارے میان تم سے بھی دس ہند رہ برس بڑی -
 احسن - تو کیا ہوا، یہ تو یورپ کا فیشن ہوا اصل! یہ ہے وہاں فمز جاچکے ہیں
 جو حقیقتاً ایک لغو بات ہے نہیں کیجانی، وہاں تعلیم اور اوصاف جوانان کے اصلی
 جوہر ہین دیکھے جاتے ہیں -

حامد - کچھری تک سے جانا شروع کرو گے -

احسن - ابھی اسکا کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے -

حامد - کیوں -

احسن - آج صبح ایک نئی بات واقع ہوئی -

حامد - ابا جان آئے تھے -

حامد - ہاں شاید پرسوں محسن بھی آیا تھا -

احسن - ہاں، ہمیں کیونکر معلوم ہوا، کیا وہ تم سے کچھ کہتا تھا -

حامد - کل شام کو وہ میرے بیان آیا تھا - کہنے لگا بھالی جان نے پوچھا ایک نہیں
 کہ تم کیسے ہو -

احسن - اے یہی ابا جان کی حرافت نے بنا کر دیا، پہلے تو مجھے اس کی وضع ہی
 دیکھ کر لغت پیدا ہوئی - پرانے وحشیوں کا لباس سننے ہوئے اگر میرے گلے
 سے لپٹ گیا -

حامد - خیر، تمہارے ابا جان کیا کہتے تھے؟

احسن - کہتے کیا تھے، انھوں نے میرے ساتھ جو سلوک کئے ہیں تم ان سے
 ناواقف نہیں ہو، کیا مجھے اسکا ملال نہیں ہو سکتا، آج وہ اپنے ایک سخت
 جاہل، بدتمیز، اور متعصب دوست کیساتھ بغیر اجازت میرے کمرے
 میں گھس آئے -

حامد - وہ دوست کون؟

احسن - وہی دی کارہنے والا، بالکل اولڈ ٹائپ کا آدمی، شاید احمد حسین نام ہے -
 لمبوترانہ می، جو گوشہ نوٹا، مندرار اٹھ گیا -

حامد۔ ہاں ہاں میں سمجھا۔ وہ تو ایک مشہور مصنف ہیں، ہندوستان میں اچھی کتا بہت پسند کی جاتی ہیں۔

احسن۔ ہون گی، آندھو نین کا ناراجہ، یورپ میں تو نل صاعنت کرنے والا یہی سے قابل ہوگا۔

حامد۔ اچھا پھر ہوا کیا؟

احسن۔ ہوا یہی کہ ایک تو مجھے ابا جان سے پہلے ہی صدمہ پہنچا تھا، اور اُن۔ میرا دل صاف نہیں تھا۔ اس پر یہ ہوا کہ اُس مردود کو دیکھ کر مجھے اور غصہ آگیا۔ ابا جان سے سخت جھڑپ ہو گئی۔

حامد۔ یہ بُرا ہوا۔

احسن۔ یقینی بُرا ہوا، وہ مجھے دھمکا گئے ہیں کہ میں اپنی جائیداد سے بچھے رہا۔ دھیلانین دونگا اس طرح میری مالی حالت بہت نازک ہو گئی ہے۔ اور مجھے کفِ ضرورت ہے۔

حامد۔ (کچھ سوچ کر) خیر یہ کوئی ایسی مشکل نہیں ہے۔ تم کبھی جانے کا ارادہ احسن۔ اسی وجہ سے میں نے ابھی دلی ارادہ نہیں کیا ہے اسکا انتظام ہو تو کچھ کروں۔

حامد۔ جو کچھ میں کر سکتا ہوں، اُس کیلئے میں کچھ فکر نہ کرنی چاہئے۔

احسن۔ مجھے تم سے بہت کچھ امید ہے۔ (کمرے میں بیرا داخل ہوتا ہے)

بیرا۔ حضور کھانا تیار ہے، اور میم صاحب آپکا انتظار کر رہی ہیں۔

احسن۔ اچھا، میں ہمارے مہان کا بھی لحاظ کرنا ہوگا۔ (بیرا جاتا ہے) چلو

حامد۔ دونوں کھانے کے کمرے میں داخل ہوئے۔ اور کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

احسن۔ (میم سے) ڈارلنگ میں تمہیں اپنے صادق دوست مسٹر حامد سے اپنا دلپس کرتا ہوں آج۔ جس اُسے ساتھ کھالے میں ستریک ہو کہ میں مسرت کشین گئے۔

میم۔ (حامد سے ہاتھ ملا کر) دل آپکا مزاج بہت اچھا۔

حامد۔ مجھے آپ سے ملکر نہایت خوشی ہوئی۔

میم۔ آپکا دوست مشرا حسن آپکا بہت تعریف کرتا تھا۔
 حامد۔ یہ انکی مہربانی ہے، اور مجھے انکا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔
 میم۔ دل مشرا حامد جب سے ہم انڈیا (ہندوستان) میں آیا۔ ہم کسی آدمی کو سیوی لائسنڈ
 نہیں دیکھا۔ کیا یہاں کا سب لوگ ایسا ہی ہے۔
 حامد۔ لیکن اب لوگ رفتہ رفتہ سیوی لائسنڈ ہوتے جاتے ہیں۔
 میم۔ ابھی تھوڑا، مگر انکا باب کمرے میں بٹس آیا تھا۔ اُس نے اتنا گل (غل) چھایا
 کہ اگر کہاں سے یورپ میں ایسا کرتا تو ہم اس پر کتنا چھوڑ دیتا۔
 حامد۔ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

میم۔ ہم انڈیا بالکل لائیک دسندہ بندہ کرتا۔ انڈیس (ہندوستانی) کا پرائیوٹ
 لائف (خانگی زندگی) بالکل کھراب (خراب) ہے۔ آپ کبھی یورپ گیا ہو۔
 حامد۔ جی نہیں مجھے ایسا موقع نہیں ملا۔ مجھے شوق بہت ہے۔
 میم۔ اب ضرور جائیے وہاں کا آزادی، وہاں کا سولیزیشن (تہذیب) وہاں کا
 لائف آپ کو بہت پسند آئے گا۔
 اس مختصر گفتگو کے بعد سب کھانے میں مشغول ہو گئے۔

نوان باب

گذشتہ باب کے واقعات کو کئی مہینے ہو گئے، اس درمیان میں احسن نے
 جتنے الوسع بہت کوشش کی کہ بریٹری کچھ چلے، مگر جلدی کیا خاک جتنے مقدمے لے
 انہیں سے ایک میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ حامد اور احباب نے کوشش کے جتنے
 ذراچ ممکن تھے سب صرف کر ڈالے، مگر ملک کا خیالی خراب ہو چکا تھا، ساری
 محنت رائگان اور بیسود ہوئی۔ آمدنی کی تو یہ صورت تھی، اور خرچ نہایت بڑا ہوا
 بلکہ کاکراہ، گھوڑا گاڑی، خانا سامان، بیرا، کپڑے، دعوین شراب کے اخراجات
 اور میم صاحب کا خرچ اسنے علاوہ۔ یہ سب کہاں سے آتا۔ حامد نے جتنے الوسع
 بہت کر دئی، لیکن آؤ یہ تو اسکا بانی خراب یہی تو اثر ہے۔ لگا۔ اور اُسے مجبوراً

اپنی امداد روکنی پڑی۔ اب احسن سخت متشر تھا کہ کیا کرے، ادھر میرم صاحب بھی بدد
ہو رہی تھیں، اور دن میں مبین بار بار اپنی حماقت پر کہ ایسے مفلس سے شادی کرے
کیون ہندوستان آئے افسوس کرتی تھیں۔ مگر اب سوائے صبر و شکر کے چارہ
کیا تھا۔ احسن کے بچکے کے قریب مسٹر ڈانیل ایک ہندوستانی عیسائی تیسرے
درجے کے ڈپٹی کلکٹر رہتے تھے، آدمی نوجوان اور شوقین تھے، ان سے احسن
بہت زیادہ دوستانہ تعلقات بڑھ گئے تھے۔ اور میرم صاحب بھی بہت خاطر مدار
سے پیش آتی تھیں، انہیں احسن کی اندرونی کشمکش کا پتہ چل گیا تھا، لیکن شاہ
کو وہسکی کے دو چار جام اڑانے کے بعد عالم سرخوشی میں ان سے اور احسن
پر باتیں ہوئیں۔

ڈانیل۔ مسٹر احسن میں تم سے آج چند خاص باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

احسن۔ ہاں ہاں میں شوق کیساتھ سننے کو تیار ہوں۔
ڈانیل۔ تم مجھ معاف کرو گے۔ اگرچہ مجھے تمہارے خانگی معاملات میں دخل
دینے یا اس کے متعلق کچھ گفتگو کرنے کا حق نہیں ہے۔ تاہم بحیثیت ایک سچے
دوست کے میں ایسا کر سکتا ہوں۔

احسن۔ ہاں ہاں ضرور ایسا کر سکتے ہو۔

ڈانیل۔ میں دیکھتا ہوں کہ مبین بیرسٹری میں اب تک بہت کم کامیابی ہوئی۔

احسن۔ تمہارا خیال صحیح ہے۔

ڈانیل۔ تمہارے اخراجات بھی زیادہ ہیں، پھر آخر کام چلے گا تو کیونکر۔

احسن۔ میں ایک عرصہ سے اسے سوچ رہا ہوں کہ کون طریقہ اختیار کروں۔

اسمیں مشورہ کی ضرورت ہے۔

ڈانیل۔ ہاں میری رائے یہ کہ تم بیرسٹری چھوڑ دو اور منصفی کی جگہ منظور کر لو

اس طرح مبین ایک محقول تخواہ ملے گی جو تمہارے اخراجات کیلئے کافی ہے۔

احسن۔ ہاں میں نے اس پر غور کیا تھا، مگر نوکری کی طرح میرے خیال زیادہ

اتھے نہیں ہیں۔

ڈانیل۔ کیا کیا جائیگا اموصح سے انسان مجبور ہو جاتا ہے، منصف کوئی بڑی

معمولی جگہ نہیں ہو، جسمیں ہمتاری کیسی طرح کی توہین ہو۔

احسن۔ ہاں ہری جگہ تو ضرور نہیں ہے۔

ڈانیل۔ اس وقت موقع اچھا ہے۔ بعض حاکم ایسے موجود ہیں جن سے میں زور دیکر سفارت کر سکتا ہوں کون بانتا ہے کہ کل یہ چانس (موقع) رہے یا نہ رہے۔

احسن۔ اچھا میں اس پر غور کر لوں۔

ڈانیل۔ وقت ضائع کرنا فضول ہو۔ میں غور کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا۔ کل اتوار ہے تم صبح تیار رہو، میں ہمیں ساتھ لے جا کر چند افسروں سے ملاؤنگا، مجھے پوری امید ہے کہ ہمیں کامیابی ہوگی، اور ضرور ہوگی۔

احسن۔ اس قدر جلدی۔

ڈانیل۔ ہاں، بس کل ہی۔

احسن۔ اگر ہمتاری بھی خوشی ہو تو مجھے کوئی انکار نہیں۔

ڈانیل۔ تو بس کل صبح، ٹھیک ہو نہ۔

احسن۔ (شراب گلاس میں ڈانیل کو اور پیئر پر رکھے) ہاں ٹھیک ہے، اچھا، تو آج کچھ بھی نہیں پی۔

ڈانیل۔ (تو بول اٹھا کہ اور گلاس ٹرک کر کے اور تھمتے، شاید دو گلاس، کیونکہ اچھا چلو،

دونوں نے گلاس اٹھائے، آہستہ سے ایک نے دوسرے گلاس سے اپنا گلاس

اٹھایا، دلپذیر چھٹکار کیا، آخر گڈ لک (خوش نصیبی کی حمد) ہوا میں پھیلی، لیون ٹنگ گلاس

اٹے۔ اور اب خالی تھے۔

دسواں باب

احسن کو مصطفیٰ قبول کئے ہوئے آج سارے آؤر جینی کا زمانہ ہوا اس درمیان میں کوئی

ایسی بات راقع نہیں ہوئی جس سے وہاں سے قطعہ کو کوئی تعلق ہوتا۔ اللہ میم دعا ہے کہ حسن

اخلاق، اور محبت میں بے کے نسبت بہت کچھ تغیر ہو گیا۔ اور وہ احسن کے کچھ گھر اسی گھنٹوں۔ وجہ

ظاہر تھی، یعنی فیشن کے آخر اجازت کا پورا نہ ہونا۔ اگرچہ پیرسٹری حواجر، مصطفیٰ میں بہت اچھا تھا۔

پھر بھی مصطفیٰ کی خواہ کچھ ایسی بڑی نہ تھی جو فیشن کے آخر اجازت کو بے خیال سکتی۔ آمدنی کے

اضافہ کا ذریعہ صرف ایک تھا، یعنی رشوت لینا، چونکہ احسن ابھی نیا تھا، وہ ذرا گھبراتا تھا اور ڈھنگ بھی نہ معلوم تھا۔ لیکن دنیا میں ایسے کم بہادر ہیں جو بی کوٹھارا رض کر نیکی جرات کر رہے اور بی بی ہی ہندوستانی نہیں جو ہر حال میں صابر و شاکر رہے بلکہ ولایتی۔ جسکی ذرا سی عدد حکمی پھانسی، کالے پانی، یا کم از کم جیل تک پہنچا دینے کیلئے بہت کافی ہوتی ہے۔ غریب اور ایسی ہی بہت ہجرات، اور دلیری کہان سے لانا کہ اُسے چین بہ چین دیکھے۔ مجبور ہو کر کیا کچھ نہیں کرتا۔ آخر اسے رشوت لینا شروع ہی کر دی۔ لیکن اس پر بھی میم صاحب کی نظر نہ ہوئی، اتوار کا دن ہے۔ اور صبح کا وقت، خانساہان میر پرچا در کھڑے چلا گیا۔ اور گھر کے کمرے میں صرف میم صاحب اور احسن ہیں۔

احسن۔ (چارہ کا ایک گھونٹ پیکر) نہیں ڈار لنگ تم بھیا ودا س ہو۔
میم۔ تم جانتے ہو کہ مجھے ہندوستان کا کلاٹیکٹ (آب و ہوا) سوٹ نہیں کرتا (موافق نہ) اور میری اوداسی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

احسن۔ نہیں میں اسے نہیں مان سکتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک عرصہ سے پڑم رہے ہو اسکی وجہ ضرور کچھ اور ہے۔ ڈیرہ تین بتانا پڑے گا۔

میم۔ آخر اور کیا رہی زن (سبب) ہو سکتا ہے؟
احسن۔ میں خود نہیں سمجھ سکتا، اسلئے پوچھتا ہوں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں نے ضرور اسکے دور کر نیکی کوشش کی ہوتی۔

میم۔ احسن میں تمہیں ایک جنٹلمین (شریف) سمجھتی تھی۔

احسن۔ (تعجب سے) اور کیا اب نہیں سمجھتیں۔

میم۔ ہاں مجھے افسوس ہے کہ تم نے مجھے ڈی سید کیا (فریب دیا)

احسن۔ (تعجب سے) میں نے تمہیں ڈی سید کیا، تمہیں اب تم یہ کیا کہتی ہو۔

میم۔ ہاں میں تمہیں کہتی ہوں۔

احسن۔ آخر وہ فریب کیا ہے، مجھے بھی تو معلوم ہو۔

میم۔ تم نے لندن میں اپنے متعلق کیا مآثر اکر لائے ہیں، انکے بعد معلوم ہوا کہ وہ سب غلط تھا

احسن۔ ہاں اپنے پیسے یہ کہا تھا کہ میں ایک امیر کا لڑکا ہوں۔ میرے باپ کے پاس کافی رو۔
میم۔ وہ ایک معزز شخص ہے، ہم آرام کی زندگی بسر کر سکیں گے۔ انہیں سے کون بات جھوٹ ہے۔

میم۔ کیا آرام کی زندگی ہے۔ آہ میں نے بڑی مصیبت (علی کی کنہ پاپا والد کا کھانا مانا۔
 احسن۔ تمہارے آرام کیلئے میں کوئی بات اٹھانا نہیں رکھتا۔ میں اس اتفاق کو نہیں جانتا
 تھا کہ مجھے میرے باپ ناراض ہو جائیں گے۔ تاہم اس ناراضی کا میں نے تم پر کوئی اثر نہیں پڑنے
 میں نے خود تکلیف اٹھا کر تمہیں آرام ہو سچا یا اور ہو سچا تاہم میں سے تمہارے لئے ایسا
 کام کرنے کی جرات کی جس سے میری ذات، میری عزت، میری آبرو و ہر وقت خطرے میں رہتی
 ہے۔ انہوں نے ان تمام قربانیوں کی کوئی قدر نہیں دی۔ اور تم مجھے ایسا آرام لگاتی ہو مجھ پر
 میم۔ کیا یہ سچ ہے کہ میری لیکچر ہو، غلام، خود اس سے، اس میں اٹھاتے۔
 احسن۔ میں جس آرام اٹھا ہوں، یہ یہ باتوں میں، یہ باتوں میں، یہ باتوں میں، یہ باتوں میں
 کرتا ہوں کہ تمہیں کیا حلیف ہو سکتی ہو، کس بات سے، یہ باتوں میں، یہ باتوں میں، یہ باتوں میں
 تمہارے لباس تمہاری پسند کے نو افروز کے ہیں۔ تمہارے پاس میرے شیشے کے ٹیبلٹس ہیں جو
 تم کلب میں جالی ہو، تمہاری اور تمہاری جگہ، میں اس سے، میں اس سے، میں اس سے، میں اس سے
 کوئی ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا ہے ایک گون رسا۔ میں اتنے روپیہ خرچ کر ڈالتا ہوں کہ
 میری ایک مینے کی تنخواہ ہے۔ میں نے تمہیں دیا، تمہیں منع کیا، تمہیں پڑاؤ میں، میں نے
 میرے دل کے، یہ ایک کے دہے۔ اس کی تاکہو، اس کو کہہ دو۔ یہ وہاں سے یہ یہ یہ یہ
 پھر کہا، میں تمہیں اپنی تکلیفوں کیلئے راحت اور مسرت دیتا تھا، اگر اس سے میرا یہ مطلب نکلا
 میم۔ اہہ! تم رونے لگا، معاف کرنا، اگر میرے نقطوں نے تمہیں صدمہ پہنچایا ہو۔ میں اپنے
 تمام کاموں کو الیس لیتی ہوں۔ جسے ہوائیٹ آؤس کے بیان سے دو ٹوٹا اس سے اور شکوہ
 میں نے فہرست منسلک کی ہے۔ اس میں گھر سے میں میری بیوی۔
 احسن نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہ جھجکا کے خاموش بیٹھا رہا۔
 میم صاحبہ (کرسی سے اٹھ کر اس کے پاس پہنچ کر اس کے ڈیرے پر اس کے ہاتھ مارا اور کہنے لگی کہ
 اور احسن کے سہو سے اپنے ذہن کو کر کے) بونو، میرے معافی مانگتی ہوں (احسن کے گال پر
 بوسہ دیکر) اور میں نے اس کے دو ہاتھ اپنے الفاظ و الیس لیتی ہوں۔
 احسن کے خون میں جو ایک جگہ پر ڈرنا، اس سے میرے ہاتھ کھڑے ہوئے اور میم
 کو گلے لگا کر بولا کہ اگر یہ سچ ہے تو میں اس کے پاس پہنچ رہی ہوں اور اس کے پاس پہنچ رہی ہوں
 پیاری بیوی نے سب تکلیفیں بھل دی ہیں

میم۔ اب ان تمام باتوں کو بھول جاؤ۔ چلو بڑے کمرے میں چلیں، میں تمہیں پسینہ
بھاگ کر خوش کروں گی۔

گیارہواں باب

گذشتہ واقعات کے دوسرے دن شام کو میم صاحب اور مسٹر ڈانیل ایک ہی
پر بیٹھے ہوئے سیر کرنے جا رہے ہیں۔ گورنمنٹ اسکول کی لائبریری پر دور یا گنہارے چوکے پر
نوکری جاتی ہے۔ اور دونوں پیدل سیر کرتے ہوئے دریا کے کنارے نکل جاتے ہیں۔
مسٹر ڈانیل (دریا کو دوسری طرف اشارہ کر کے) اس طرف کیسی اچھی پسینہ ہے۔ مشرق کی
سے اٹھتی ہوئی تار کی نے دریا کی سفید لہروں پر کیسا پیارا عکس ڈالا ہے۔ ٹھیک ویسا ہی
تمہارے سیاہ بال تمہارے برف کے ایسے سفید گائون پر سایہ ڈال رہے ہیں۔ مگر نہیں میں
غلطی کی دریا کی لہروں ویسی صاف نہیں ہیں جیسے تمہارے چاندی کے ایسے چمکتے ہوئے
لہروں سے ان کی تشبیہ بھوٹی بلکہ غلط ہے۔

میم۔ ڈانیل کیا تم شاعر ہی ہو۔ (مسکرا کر) ضرور ہو۔

مسٹر ڈانیل۔ ہاں کچھ دنوں سے ہو گیا ہوں۔
میم۔ تم نے اپنی نظم مجھے کوئی نہیں دکھائی نہ کہی ذکر کیا۔
ڈانیل۔ ہاں، میں انہیں اپنی نظم دکھانے کی جرات نہ کر سکا۔
میم۔ کیوں؟ کس سبب پر وہ نظم ہے۔

ڈانیل۔ میرا زیادہ پیارا سبب (موضوع) تو (عشتی) ہے، اور قریب قریب میری نظمیں
میم۔ نہیں اس کا کوئی شعر یاد نہیں؟

ڈانیل۔ ہاں ضرور یاد ہے کیا تم اسے سننا پسند کرو گی۔

میم۔ ضرور، نہایت خوشی سے۔

ڈانیل نے نہایت تیارانہ انداز سے میم کو گلے لگا لیا اور اس کے نازک لبوں پر پورے
چوم پھیری نظم محبت کا یہی پہلا شعر ہے، امید کہ تم پسند کرو گی۔

میم۔ ڈانیل! اتم بہت شیریں گفتار ہے، اور میں نہیں پسند کرتی ہوں۔

ڈانیل نے دوبارہ بوسہ لیکر کہا: "میری بڑی خوش نصیبی ہو کہ تمہارا ایسا حسین مجھے
 سیرین گرفتار کہے اور مجھے پسند کرے، کیا تم میری محبت کا جواب محبت سے دو گے؟
 میم۔ بیشک محبت کا جواب ہمیشہ محبت سے دیا جاتا ہے، اور میں بھی یوں ہی دوں گی۔
 ڈانیل نے میم کے کمر میں ہاتھ ڈال دیا اور اکلمہ سے اکلمہ ہلا کر کہا: "میں تم پر بھروسہ کرتا ہوں۔
 میم۔ ہاں ضرور تم مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہو، پیارے ڈانیل تم ضرور مجھ پر بھروسہ کرو۔
 اب بھرو دونوں اکلمہ دوسرے کے کمر میں ہاتھ ڈال کر بہت بہتہ آہستہ چلتے گئے۔
 ڈانیل۔ "نہ۔" "ہندوستانی کے بال، میں کیونکر پھنس گئیں۔"

میم۔ ایک اتفاق تھا، ورنہ میں کہاں اور یہ کہاں۔
 ڈانیل۔ یہ ہندوستانی عورتوں کی عزت کرنا نہیں جانتے، اور نہ ان وحشیوں کو معلوم کر سکتے ہو کہ کیا
 میم۔ پیارے ڈانیل تمہارا خیال درست ہے۔ میں آسن پر اکت گئی ہوں۔ مجھے اس آفت
 سے بیک وقت بے خبریت یا نے لگا کوئی ذریعہ نہیں مل رہا ہے۔
 ڈانیل۔ میری پیاری۔ یہ کون مشکل بات ہے۔

میم۔ ہاں اب البتہ مجھے یقین ہو کہ شاید تم اپنے کو میرا نجات دلاؤ الا ثابت کرو۔
 ڈانیل۔ بیشک میں تمام ممکن ذرائع صرف کرنے کیلئے آمادہ ہوں۔ میں کیا کوئی نہیں
 چاہے گا کہ ایک نازک حیدر پر ایک مہیب کے نفس میں بند رہے، کیا مجھے اسکا افتخار حاصل
 ہو سکتا ہے کہ تین بجائے مرزا احسن کے تمہارے اصلی پیارے نام سے مخاطب کروں؟
 میم۔ تین کم سے کم میری تقلید کرنی چاہئے، لو اب میں بجائے سر ڈانیل کے تہسین
 صرف ڈانیل کہوں گی۔

ڈانیل۔ اور میں الائیس۔ کہہ کیا پیارا نام ہے۔ کیوں، مجھے اجازت ہے۔

میم۔ ہاں تم ضرور ایسا کہہ سکتے ہو۔

ڈانیل۔ تم اسے احسن سے نکال کر کہاں ہوا۔

میم۔ منجھ میں۔

ڈانیل۔ آج تم نے ہو اس عذاب سے چھوٹنے کی کوئی تدبیر سوچی ہے۔

میم۔ اگر کوئی میرا سر پرست کھڑا ہو جائے تو کچھ ہی مشکل نہیں ہے۔ میں آج علیحدگی
 حاصل کر سکتی ہوں۔ خالی علیحدگی نہیں، مگر احسن کو میرے اخراجات بھی ایک حد تک

ادا کرنے ہوں گے۔

ڈائیل۔ اس میں بات کیا ہے، اگر تم ایسا چاہتی ہو تو مجھے تیار سمجھو۔ اور اس کی جلد سے کوئی شے کرو۔

بارہواں باب

ڈائیل اور الائنس کی گفتگو کے چھ دن، صبح کو الائنس احسن کے کمرے میں آئی

الائنس۔ دیر احسن کیا تم اس وقت کسی ضروری کام میں بڑی (مشغول) ہو۔

احسن۔ ہاں میں ایک مقدمہ کی تجویز لکھ رہا تھا۔ کیوں؟ غیریت تو ہے۔

الائنس۔ ہاں مجھے تم سے آج ایک خاص بات کہنی ہے۔

احسن۔ تم یہ کہہ سکتی ہو اگر کوئی ضروری بات ہو۔

الائنس۔ مجھے تم سے محبت ہے۔

احسن۔ (متحیر ہو کر) میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔

الائنس۔ میرا مطلب بہت ظہیر (صاف) ہے، میں یہ کہہ رہی ہوں کہ مجھے تم سے کس ہی

ہے جیسی پہلے تھی۔ اور میں وہی ہی تمہاری خیر خواہ ہوں۔

احسن۔ ہاں میں اسے جانتا ہوں، تمہارا مطلب اس اظہار سے کیا ہے؟

الائنس۔ میں ابھی بتاتی ہوں، چند دھوہ سے اب ہم اور تم اپنے اسے ہمیشہ

دائیم (زن و شو کی طرح) نہیں رہ سکتے۔

احسن اس جملہ کو سنتے ہی گھبرا گیا، اور پریشان اور بے چین ہو کر پوچھا کہ کیا کہا؟

الائنس۔ میں یہ کہہ رہی ہوں کہ اب ہم تم زیادہ دنوں تک عداوت کی طرح نہیں رہ

احسن۔ میان میں کی طرح نہیں رہ سکتے، کیونکہ ہم ایک دوسرے کے لیے خراب ہیں۔

الائنس۔ یہ بتانے کی بجائے بتاؤ، کیا تمہارا مقصد یہ ہے؟

احسن۔ آہ کیا تم کو مجھے نفرت ہے؟

الائنس۔ خیر، یہ خیال تو ابھی نہیں ہے، میں نے یہ بھی نہیں کہا کہ مجھے تم سے نفرت ہے۔

احسن۔ یہ بھی ایسا ممکن خیال کیوں ہے؟ الائنس کیا تم مجھے نہیں جانتی؟

سارے بیان و فاجھوٹے تھے۔

الائس۔ وہ سب سچے تھے، اور میں۔ میں تم سے برابر ملتی رہی۔ میں تمہاری خوشی اور غم میں شریک رہی۔ صرف یہ تعلقات اب جاری نہیں رہیں گے۔

احسن۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، الائس یاد کرو جسے تمام عمر ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا، صرف میرے سامنے نہیں۔ بلکہ مقدس قربالگاہ کے سامنے مقدس پادری کے سامنے مقدس مسیح اور میرے سامنے۔ کیا تم ایسے عمدہ توڑ ڈالنا چاہتی ہو۔

الائس۔ بیٹک میں نے وعدہ کیا تھا، مجھ پر پادری، میں بھولی نہیں۔ مگر اب ایسا نازک موقع آگیا ہے کہ مجھ پر مجھے اسے توڑنا چاہئے مقدس مسیح مجھے محبت کر دیں گے۔

احسن۔ تم ایسا کبھی نہیں کر سکتی۔ الائس۔ دیکھو احسن میں چاہتی ہوں کہ یہ بات بغیر کسی لال کے طے پا جائے۔ مجھ اسید جو کہ تم سے پسند کر دے۔

احسن۔ لال، اخب، میں اس پر ہرگز آمادہ نہیں ہوں۔ الائس۔ تمہاری آمانگی کی ضرورت نہیں، خالی میرا آمادہ ہونا کافی ہے۔ احسن۔ کیا تم میری دوستی طلاق سے بچا چاہتی ہو۔

الائس۔ ان مجھے ڈالی اور رس (طلاق) کر دینے کا پورا حق ہے۔ اچھا خدا حافظ میں جاتی ہوں۔ مناسب یہی ہے کہ تم میرے مجتہد برتاؤ کو دشمنی سے بدل لو۔ اگر تم نے نہ مانا تو مجھے کورٹ (عدالت) کے ذریعہ سے طلاق حاصل کرنے میں کوئی دقت نہ ہوگی، پھر مجھے تمہارے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں رہ سکتی۔

الائس نے یہ کمر ٹوپی سہانی اور جینک احسن کو کہہ کر اس کے باہر نکلے۔ یہ ایک ایسا میں تھا جس نے احسن کے قلب پر سخت اثر کیا، مگر طری دیر لگنے اس کے تمام اعضاء و جھڑک ہو گئے اور وہ ایک مرد سے کی طرح کر سی رہی چار بار جب ذرا اس سے ملے اس نے اسے ایک ٹھنڈی سانس لی اور گہرا کر کہی برے آٹھ گھنٹہ ہوا۔ رنج اور غصہ نے اسے نیم دیوانہ بنا دیا تھا۔ اس نے ستر کا گلا ان فرش پر پھینک دیا۔ کتابوں کے ورق پھاڑ دالے کاغذات اور اس پر ہر جگہ سے لے کر اس کے نوچ کے آگے اور پیچھے ہونے لگے۔

پیرھوان باب

الاس نے عدالت کے ذریعہ سے باضابطہ طلاق لے لی، اور اب احسن کو معلوم ہوا کہ اگر وہ بجائے ایک مہذب اور تعلیم یافتہ قوم کی عورت سے شادی کرنے کے ایک وحشی اور جاہل کی عورت سے نکاح کرنا تو اس کی دولت، عزت، اور صحت سب کچھ محفوظ رہتی۔ مگر وقت گزر چکا تھا اور اب کوئی چارہ باقی نہ تھا۔ الاس کے طلاق لینے کے بعد ہی مصیبتوں کا ہوا نہین ہو گیا بلکہ ایک مصیبت گئی تو دس مصیبتیں اور نازل ہوئیں۔ ہر طرف تاجرون۔ بلون کی بہر مار ہوئی لگی اور اس شدت سے بونگلی کہ غریب کو سانس لینا دشوار ہو گیا۔ حالت پہلے ہی سے خراب تھی، دوسری کوئی صورت نہ رہی کہ اس کی نجات ملتی۔ آخر یہ فیصلہ کر کے شاید کوئی دوست اس آئے وقت میں کام آئے وہ خود حامد سے ملنے گیا۔

ایک عرصہ سے حامد سے اس کم ہو گئے تھے، اور مینوں ملاقات کی رو بہ تالی تھی۔ ان ملاقات معمول احسن۔ ملاقات کے بعد میں آنا دیکر حامد نے تعجب میں لہجہ میں کہہ دیا کہ تم نے کہا تھا آج نصف صبح کیونکہ شریف زندہ ہے میں، عمر پور پر یہ طاقت کیا کیسی کر رہا ہے؟ شاید تم اس سے منکر کر رہے ہو یا دوسرا۔ ستانی معترض نہایت "اب احسن کہ میں داخل دو دنوں نے اٹھ کر تعظیم کی اور مائدے منکر کر کہا "کہ ہر بچہ بول پڑے۔"

(احسن)۔ (تم زندہ ہو کر) بھائی بس شرمندہ نہ کرو۔

حامد۔ میں نے تو سمجھا تھا کہ تم ہمیں بالکل ہی بھول گئے۔ مزاج کیسا ہے؟

احسن۔ خدا کا شکر ہے، اچھا ہوں۔ عظیم الفرضی کی وجہ سے ایک مہرہ کے بعد آج ملا ہوئی۔ تم نے ہی آنا چھوڑ دیا۔

حامد کیا کرتا، جب گیا، معلوم ہوا سوقت ملاقات نہیں ہو سکتی۔ اور سب خیریت ہے؟

احسن۔ ہاں سب خیریت ہے، میں کئی روز سے تم سے ملنا چاہتا تھا، کل خیال کیا کہ تمہیں دیکھوں، پھر سوچا کہ شاید تمہیں ناگوار ہو میں نے یہی مناسب سمجھا کہ خود ہی ملوں۔

حامد۔ ناگوار ہوئے کی کوئی بات نہ تھی اگر تم بلا بھیجے تو میں فوراً چلا آتا۔

احسن۔ (رشتہ سے) بھائی رشید تم اچھے ہو؟

رشید۔ تمہاری مہربانی سے میں بہت اچھا ہوں۔
 احسن۔ (حامد سے) بھائی! حامد مجھے تم سے چند خاص باتیں کرنی ہیں، اگر کوئی مضائقہ
 نہ ہو تو اپنے ریڈنگ روم میں یا تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جیو۔
 حامد۔ بھائی! بھائی! جیو، اضافہ کیا ہے۔ (کھڑے ہو جاتا ہے)
 احسن۔ رشید سے معاملہ ہو کر ابہامی، شدید معاف کرنا۔
 رشید۔ نہیں۔ راجہ۔

دوڑا۔ بھنگ (میں میں بیٹھ کر بیٹھوں) رشید سے حامد نے یو چاہا، بھائی! جیو۔
 احسن۔ نہیں۔ میری مصیبت۔ (بھائی! بھائی! جیو۔)
 حامد۔ میں نے یہ میم صاف ہے، بھائی! بھائی! جیو۔ (بھائی! جیو۔)
 احسن۔ (مفتنی) مانس (بھائی! جیو۔)
 حامد۔ آخر یہ ہر کیا۔

احسن۔ (بھائی! جیو۔) (بھائی! جیو۔) (بھائی! جیو۔)
 آہ بیٹے سخت ناشکی۔ کاش میں کسی ہتھیار اور ہوشیور سے۔ (بھائی! جیو۔)
 حامد۔ خیر! اب جو غلطی ہو، اب میں کسی۔ (بھائی! جیو۔)
 اور یہ زبردستی ازہ کر دیاں غم کا یہ قتل نیست۔
 احسن۔ (بھائی! جیو۔) (بھائی! جیو۔) (بھائی! جیو۔)
 بھائی! (بھائی! جیو۔) (بھائی! جیو۔) (بھائی! جیو۔)
 حامد۔ اور بلا میں کیسی؟

احسن۔ تم میری مالی حالت دیکھو، واقعہ، (بھائی! جیو۔) (بھائی! جیو۔)
 بھائی! کیا؟ (بھائی! جیو۔) (بھائی! جیو۔) (بھائی! جیو۔)
 میری بھی حصول خرچی شامل تھی۔ لیکن ریاضہ وہ ہے جو میں نے نہیں کیا۔ (بھائی! جیو۔)
 تھے اب اس کے جانے کے بعد یہ بلوں رہ رہ کر ایک ایک (بھائی! جیو۔)
 آتے ہیں۔ اور میرے پاس یہ پانی نہیں ہے۔

حامد۔ (بھائی! جیو۔) (بھائی! جیو۔) (بھائی! جیو۔)
 مگر تھے ایک نہ تھی۔ اب میں نے اس قدر غم کا ہوا ہے کہ میں نے یہ کیا۔

احسن۔ شامت سوار تھی، اور کیا کہوں۔ اس خیال سے تو میرا خون اور خشک ہو رہا ہے کہ دیکھئے میری نوکری کا کیا حشر ہوتا ہے، اچھے حامد خدا کیلئے کیسی طرح اس بلا سے مجھے نجات دلاؤ۔ میں جانتی تھی کہ تو کرتا ہوں، ہمارے سوا اور کوئی نظر نہیں آتا جو اس مصیبت کے عالم میں کام آسکے۔

حامد۔ دیر جن کیا بتاؤں کہ میں خود کس چکر میں ہوں، اس مرتبہ ایک علاقے کی مالگداری نہیں دی گئی ہے۔ فحش کیوجہ سے اسامیوں کا بڑا حال ہے۔ بارہری الگ کر پڑی ہے۔ خوشدامن صاحبہ بیاہ پڑی ہوئی ہیں۔ اس کے علاج میں بیسویں روپے روز صرف ہو رہے ہیں۔ جد بردیکھے خرچہ خرچہ خرچہ ہو رہی ہیں۔ تمہیں ضرورت کتنے روپیوں کی ہے؟

احسن۔ اڑھائی ہزار کے تو صرف بل ہیں۔ باسوا در ضروری اخراجات کے لئے رہے۔ تین ہزار کی ضرورت ہے اس سے کم میں کیسی طرح کام نہیں چل سکتا۔

حامد۔ تین ہزار، اتنی بڑی رقم میرے لئے تو ناممکن ہے۔

احسن۔ بھڑکیا ہوگا، اگر ان سبھوں نے دعویٰ کر دیا تو نوکری بھی گئی۔

حامد۔ سخت مشکل ہے۔ کیا کیا جائے۔

احسن۔ کوئی صورت تو نکالو، میرا اور کون بھڑ رہے ہیں جس سے کہوں۔

حامد۔ دیکھو سوچو، کوکل چند میرے ایک دوست ہیں، وہ روپے کالین دین کر ہیں۔ ان سے کہا جائے شاید کوئی صورت نکلے، مگر دشواری تو یہ ہے کہ بغیر حامد اور کوئی روپیہ دیکھا نہیں۔

احسن۔ اب تم جانو، اس وقت میری زندگی اور موت ہمارے کوشش میں ہے۔

حامد۔ میں کیا بتاؤں۔ مجھے اپنی مجبور یوں کا دلی افسوس ہے۔ میری ایک رائے ہے اگر تم اسے پسند کرو۔

احسن۔ وہ کیا؟

حامد۔ اس وقت مصلحت وقت یہ ہے کہ تم اپنے ابا جان سے معافی مانگ دو،

احسن۔ یہ ناممکن ہے، میں اس قدر بیعت میں ہوں اس قدر کے بعد سے انھوں نے کبھی میری خبر تک نہ لی۔ مگر میری غلطی تھی، مجھ سے قصور ہوا، مجھ سے خطا ہوئی لیکن کیا محبت پدری اور بزرگانہ شفقتیں اس کو کہتے ہیں۔ کیا انہیں میری حالت

معلوم نہیں ہے، انھیں سب خبریں ہو گئیں۔ خدوہ جون کی۔ لیکن مجھ بھی اتنا خیال نہ کیا کہ وہ میری اس مصیبت میں شریک ہوتے۔ میرے آنسو پونچھتے، اور اپنی غصہ من سے مجھے تھپتھپاتے۔ دنیا میں کوئی کیسا نہیں اسمانی حامد بیاض ہے یہ بھی تو کبریٰ جاتی رہے۔ مجھے ڈر نہ ہو جائیں، تجھے خدا آنکر وہ جیل بھاتا رہے، میں ان تمام باتوں سے بے بخوشی تیار ہوں۔ لیکن اب جان کے پاس خود سے نہیں جاؤں گا۔

حامد۔ صیبت میں عقل بھی۔ اہل ہو جاتی ہو۔ خیر یہ میں تمہیں گوگل چند کے پاس لے جائوں گا۔ شاید ہی کھالی ہو۔ تاہم کوشش کرنی پڑے۔
 دوڑن۔ یہ رنگ۔ دم کے اس سے، حامد کے ذریعہ جو کہ دیکھ رہا ہوں تو کہہ دو۔ دیکھ دیکھ مجھے اس کا کیا تھا اسے کہا، مدد اب میں جو، ایسا بنا ہوں، اپنے شام کو ملے گا۔

حامد۔ اچھا۔ بھائی معاف کرنا۔

رشید۔ کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ وہ ناہو
 نوکر نے گاڑی تیار ہونے کی اطلاعات دی۔ وہوں کو میں میں میں دیکھ رہا ہوں۔
 میان چلے کوئی مسرور ہے، میں ہاں سا کوکل چند کی کٹی ہوئی چوٹی میں، سنا، اٹھا، اٹھا، اٹھا۔
 وہ بان نے والہس آکر کہا کہ میں نے یہ بار بار سے نہیں۔
 حامد۔ اگے میں پہونچ کر کوکل چند سے، باوجود اب اس میں؟

گوکل چند۔ آئیے آئیے، (خندہ دیکھ کر) اٹھ اٹھو،
 حامد۔ آپ مجھ میں، حامد، اس کو کہہ دیں، یہ سچ ہے،

گوکل چند۔ او سب خیریت ہو؟

حامد۔ ایک مہربانی سے سب خیریت ہو۔

گوکل۔ کہنے کیا حکم ہے؟

حامد۔ ایسا ضرورت سے آیا ہوں،

گوکل۔ فرمائیے فرمائیے۔

حامد۔ تجھ کی ضرورت ہو۔

گوکل۔ بہت خوب۔

گوکل چند نے دو ایمون سے جو کہ میں تھے محاسب کو کہہ دیا، در آس، کہہ دیا،

کرے بن چلے جاتے۔

گوگل۔ ہاں اب فرمائیے، بالکل تخلیہ ہے۔
حامد۔ (احسن کی طرف اشارہ کر کے) آپ کو جانتے ہیں، آپ منصف صاحب۔

گوگل۔ نہیں ہیں۔

حامد۔ ہاں، ہیں۔

گوگل۔ (احسن سے) بڑی مہربانی کی فرمائیے کیا حکم ہے۔ حضور بیان آپ سے ہیں۔

احسن۔ مجھے کوئی ایک سال ہوا۔

حامد۔ آپ کو فی الحال کچھ چھوڑنے کی ضرورت ہے۔

گوگل۔ کس قدر؟

حامد۔ کوئی تین ہزار، مگر بہت جلد، آج ہی کل میں۔

گوگل۔ سرکار کا دولت خانہ یہ ہے۔

حامد۔ یہیں کے رہنے والے ہیں۔ آپ نواب یوسف مرزا صاحب کو تو جانتے ہوں گے۔

گوگل۔ ہاں ہاں۔

حامد۔ انہیں کے آپ صاحبزادے ہیں۔

گوگل۔ اچھا۔ روپے تو تیار ہیں۔ مگر سرکار کوئی جائیداد موقوف کرے گی۔

حامد۔ کوئی جائیداد موقوف نہیں کر سکتے، ابھی آپ کے والد زندہ ہیں، جائیداد کو کمانے آئیگی۔

گوگل۔ پھر فرا مشکل ہے۔ آپ دیکھتے ہیں آجکل لین دین کا تیار رنگ پور ہا ہے۔ روز د

ایک بنک کے دو اسٹاکل رہے ہیں۔ بغیر کسی اطمینان کے کوئی اتنی بڑی رقم کیونکر دے سکتا۔

حامد۔ مگر بیان تو آپ کو اطمینان دے کر دیا جائے گا۔ آپ کا روپیہ ڈوب نہیں سکتا۔

گوگل۔ ہاں مگر کچھ بھی نہا جن بغیر کافی اطمینان کے کیونکر دے سکتا ہے۔ اچھا روپیہ کچھ

مدت میں ادا کیا جائے گا۔

حامد۔ کم از کم دو سال میں۔

گوگل۔ اور سود۔

حامد۔ جو عام شرح ہے۔

گوگل۔ روپیہ تو غالباً ہینڈ نوٹ پر لیا جائیگا۔ جس بٹری تو ہوگی نہیں۔

حامد۔ ہاں رجسٹری میں بدنامی کا اندیشہ ہے، آپ جانتے ہیں تو کمری کا معاملہ ہے۔
گوگل۔ ہاں وہ تو میں پہلے ہی سمجھ چکا تھا۔ مگر کوئی جامد ادھی مفسول نہ کیجا سکی، روپیہ
بھی ہینڈ نوٹ پر لیا جائیگا۔ رجسٹری نہ ہوگی۔ اور پھر سود عام شرح کا، پہلا اسے کون منظور
کر سکتا ہو؟ بڑے صاف معاملوں میں تو لوگ ایسا کرتے ہیں۔
حامد۔ آؤ اب سو دیکھا تجوز کرتے ہیں۔
گوگل۔ میں تو بالکل صاف اور بے لاک معاملوں میں دو روپیہ سیکرہ سود اور دس روپیہ
سیکرہ زرمانہ لیتا ہوں۔

حامد۔ لیکن ہم سو دیکھا نہیں گئے۔
گوگل۔ دعویٰ سود تو یہی دو روپیہ سیکرہ یا سبائیگا۔ لیکن تین ہزار دون گا اور
چھ ہزار کا ہینڈ نوٹ لہرا جائیگا۔
احسن۔ چند ہزار کا ہینڈ نوٹ۔
گوگل۔ سہرا، آپ میری بہت سی تعریفیں کرتے۔ میں ایک جوا کھلانا ہوں جوا۔
حامد۔ بہت زیادہ ہے۔ آپ کو یہ رعایت کرنی چاہیے۔
گوگل۔ سچ جانتے آپ کے آنے کی وجہ سے میں۔ نے اتنی رعایت کی، اور نہ میں ایسے معاملے
تو کسی کرتا نہیں۔

حامد۔ تاہم ایک کچھ رعایت تو ضرور کرنی چاہیے۔
گوگل۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اب اہر کچھ نہیں کر سکتا۔ کوئی شخص بھی ایسی غیر طبعیاتی کی
حالت میں نہ کرے ایک بانی دنیا پسند نہیں کر سکا۔ میں محض آپ کی مروت سے ایسا کر رہا ہوں۔
آپ ہی خیال کیجئے اگر میرے روپے وصول نہ ہوئے تو میں کیا کرونگا۔ اس وقت تو آپ مجھ پر
میری کچھ مدد نہ کریں گے۔

احسن۔ رہا یہ تو بتائیے روپے کتنا مل سکتے ہیں گئے۔
گوگل۔ آٹھ آٹھارہ، آج تو کچھ ہونے میں سکا۔ سو مبارک وہ لوگ روپے دیتے ہیں اور
وہی حالت مقرر اور بدھ کی جو۔ جہیزات کی دین گہرے بھی تکانا منع ہو سکتا (جسٹہ) اور میں معاملہ
طے ہو سکتا ہے۔
احسن۔ یہ اور مشکل ہے، مجھے ضرورت جلد ہی مکمل پر سون تک۔

گوگل - یہ تو ناممکن ہے، کل بیرون تک کی طرح انتظام نہیں ہو سکتا۔
 اسامہ - یہ پتا لگایا ہوگا، روپیہ دیا، اور کام بھی نہ نکلا۔ کیا کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔
 گوگل - ایک صورت ممکن ہے، مگر شاید آپ اسے منظور نہ کریں۔
 اسامہ - وہ کیسا؟

گوگل - میں دوسرے مہاجن کے یہاں سے آج تھوڑا سا روپیہ لگا کر دوں۔ مگر اس میں
 آپ میں بھی کچھ دینا پڑیگا۔
 احسن - آخر کتنا دے گا؟

گوگل - پچیس روپیہ سیکڑہ سے کیا کر لیں گے۔
 احسن - اذہ! ہمیں تو بہت نقصان ہوگا۔ کب جبال پب ریلیف ہیرا دیا تھا، تو
 اڑہائی سو روپے نذر کر دیا ہوگا۔

گوگل - آپ ہی خیال کریں، مگر جہاں کا فائدہ ہو تو وہ آخر روپیہ کیوں دیگا۔
 اسامہ - مگر جناب یہ تو لوٹ ہو لوٹ۔

گوگل - غمزدہ، تیرا وقت ایسا ہی کرتا پڑتا ہے۔ مناسب تو یہ ہے کہ سب تک ٹھہر جائیے، میں
 اس میں مزید ہرجاں پر روپیہ دے دوں گا۔

احسن - کچھ - چکر خیر منگائیے، مجبوری ہے۔ ضرورت ایسی ہے جوڑ کر نہیں سکتی۔
 گوگل - ایسی بات اور میں کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ سو ماہ باہ پہلی یا دوسری تک طمانا
 چاہیے۔ ورنہ اصل میں جوڑ دیا جائے گا اور پھر اس پر سود چلے گا۔
 حامد - یعنی سود در سود۔

گوگل - جی ہاں۔

احسن - خیر آپ کو سو ماہ باہ ہو چننا رہے گا۔

گوگل - سمجھا، اس وقت میں جہاں کے بیان آدمی بھیجتا ہوں آپ تمام کو تیرے
 لائیے، روپیہ مل جائیگا۔

احسن - مگر کتنا؟

گوگل - ایک ہزار میں سے اڑہائی سو نکال لیا جائیگا۔ بقیہ آپ کو ملے گا۔
 احسن - آپ پاس سات لکھ تھما ہوا تو لکھا۔

اُسے صلواتیں سنائیں، انہیں نے کان دبا کر نہیں، معذرت کی، سیکڑوں عذرت تھیں کئے، ہزاروں جھوٹ بولے، ہر طرح سے اپنی مجبوریاں بیان کر کے رحم دلانے کی کوشش کی، قسمیں کھا کر وعدے کئے، اور چند دنوں کی مہلت چاہے۔ گوکل چند نے طوعاً و کرہاً منظور کیا۔ اب یہ فکر ہوئی کہ وعدہ خلافی نہ ہونے پائے ورنہ ضرور ہتھیار بیکار ہو گیا، وہ یہ کہنے لگا کہ ان سے کوئی تجارت نہیں۔ کوئی زینداری نہیں، نوکری کی ایک عین تنخواہ، جیسا ایک پائی پانچویں انعامہ مجال ساغر میں دست غیب (رشوت ستانی) پر طبعیت تھی، سوائے اس کے دوسری ضرورت ہی تھی کہ اور یہ عمل بھی کوئی نیا تھا، جیسا کہ چند دنوں محنت کر کے حاصل ہوئی تھی، ضرورت ہوتی۔ پہلے بھی پڑھتے تھے، اگرچہ باتا عہدہ نہیں، دل سے جھجک نکلتی تھی۔ ارادہ کر لیا کہ لوگوں کو بھی کھیل کے لو، دھڑے سے بوجھ کچھ ہو گا دیکھا جائیگا۔

میر صاحب کی بیوہ سے مشر ڈائیل سے عداوت ہو گئی تھی، عداوت بھی کون رقابت والی رقابت بھی ایسی نہیں کہ ایک سے کیلئے دوشخص کو نشان تھے۔ ایک کو ملگنی، دوسرا ناکام رہا۔ بیان تو کی بجائی ہانڈی چھین گئی، حلق میں انگلی ڈال کر ایک نے دوسرے کا نوالہ نکال لیا۔ اس کے لئے عیسیٰ عداوت اور جو کچھ دشمنی ہو وہ تھوڑی ہے۔ رات دن دو دنوں ایک دوسرے کی فکر میں رہتے تھے، اگر میرا اس حکومت کا خوف، اور پہلو میں بزدلی کی تعلیم پایا ہوا دل ہوتا تو ایک دوسرے کا گلا گھونٹ ڈالتا، چھری بھونک دیتا۔ اور جدا جاتے کیا کرتا۔

احسن کی کیلئے بندوں رشوت ستانی کی خبریں ڈائیل تک بھی برابر پہنچے لیکن اور اُسے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کیلئے کوششیں شروع کر دیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مقدمہ میں حسین احسن نے خاطر خواہ اپنا میٹ بھر افکار رشوت ستانی کا لازم قائم ہو گیا۔ مقدمہ کی حالت روز بروز نازک ہوتی ہو گئی۔ درمیان تک نوپخت ہو چکی کہ محکمہ کی امیدیں نا اسیسی سے بدلتے لیکن۔

اس وقت کو بھی سب خبریں برابر پہنچ رہی تھیں۔ اگر حقیقت پر مبنی کا اصرار اور ہوتی کہ معیت اور میری شہنی بلکہ بارہ سے آمادہ کرتی تھی کہ احسن کے اس نازک حال میں نہریک ہو جائے لیکن اب تک وہ خطبہ کے بیٹھے رہا۔ البتہ محسن کو گئے بارہ احسن کے پاس بھیجا اور روپوں سے برابر مدد کی۔

باوجود ان تمام مصیبتوں کے احسن کی معزور شان، اور احقانہ خود داری میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اور اس سے یہ نہ ہو سکا کہ وہ مان بابت قدموں پر گر کر عافی کی درخواست کرے۔ وہ موتوں اور ہوا خواہوں نے اپنی تمام اسکانی کو مستحق نصرت کر دین۔ مگر ادب، بد نصیب و غرضی احسن اپنی ہمت پر قائم رہا۔ اور مقدسہ کچھ ایسا انجام دینا چاہتا تھا کہ وہ اپنی ہمت پر قائم رہے۔

اب احسن کی یہی ہوا امید بھی جاتی رہی اور اسے یقین ہو گیا کہ بغیر سزا کے جھٹکارہ آسان نہیں ہوگا۔ بعض احباب نے مشورہ دیا کہ کلکتہ کے مسٹر نارٹن بیرسٹر کو ضرور بلاؤ، شاید خدا رحیم کرے۔ احسن خود بھی اس کی لیاقت کا قائل تھا۔ دل نے ہی کہا کہ شاید اسی جیل سے نجات مل جائے۔ مگر اب محال ہو گیا۔ بالآخر مسٹر فریڈرک موراد، مالوس ہو کر احسن کو والدین کا دورہ دکھانے لگا، احباب اپنے ہمراہ لے گئے، احسن باپ کے قدموں پر گر پڑا۔ پوچھا کہ تم کوئی کام نہیں کرتے، بیٹے کو سینہ سے لگا لیا۔ انداز میں یہ کہتا تھا۔ برسوں کے بعد

میں دست زدہ بیٹے کو دیکھ کر جھینپ مار مارے رو نکلا۔ بیٹے سے گھایا۔ پیر کر لیا۔ دعائیں پڑھیں۔ دوسری پھبتی میں مسٹر نارٹن بلا لے گئے۔ اور اس کے بعد برابر ہر ہفتے میں آتے رہے۔ حکم سناتے۔

یہ آواز ناناں جو اس وقت یوسف برہنہ سر جاننا زیر بیٹھا دعائیں مانگ رہا تھا۔ بیگم بال کھڑے زور دے کر اپنے بچے کی رہائی کے لیے قادر مطلق کی ننگا دین مندرتیں کر رہی تھی۔ محسن اور احسن کے خاص احباب اجلاس برتتے، ان کے چہروں کا رنگ زرد تھا۔ آنکھوں میں آنسو تھے، اور دسے دعائیں نکال نکال کر لبوں کو جنبش دے رہی تھیں۔ ہر ایک آنکھیں جی کی صورت پر گڑی ہوئی تھی، اور ہر ایک کان اس کے الفاظ کو بڑھیں

گو بچے ہوئے سننے کا منتظر تھا۔ دور نہ صرف کھڑے میں احسن برہنہ سر کھڑا ہوا تھا، اس کا دل زور سے دھڑک رہا تھا۔ اعضا کبھی کبھی تھک جاتے تھے۔ زور دے اور سوکھے ہوئے لب جنبش کر رہے تھے، اور اس وقت اس سے زیادہ خدا کے وجود کا قائل اور اس کے

رحم و رحم کو اپنی طرف دعوت دینے والا اس اجلاس پر کوئی نہیں تھا۔ تھوڑے ہی چھوٹے سکوت کے بعد جج کے یہ الفاظ بواہن گو بچے "تم بری کہتے جا رہے ہو" تمام مجمع میں جواتا تھا۔ مردہ کی طرح سرد اور خاموش تھا۔ ان الفاظ نے حیات اور برائی کی لہر دوڑا دی، احسن

کھڑے میں فرط مسرت سے ہوش ہو گیا۔ لوگ فوراً اسے اٹھا کر باہر لے گئے۔ سمجھ پرانی کے چھینٹے دئے، پنکھا چلا، تلوسے سہلائے۔ تھوڑی دیر میں ہوش آیا۔ محسن نے فوراً انکھ

اگر والدین کو خوشخبری سنائی۔ اور وہی مکان جواب سے چند گھنٹے پہلے ماتم خا
تھا عشر نگاہ بن گیا۔

ان تمام گزشتہ واقعات کے بعد احسن کی زندگی کا ایک نیا دور شروع
ہو گیا۔ وہ یورپ کی تہذیب کو ہمیشہ کیلئے خیر باد کہا۔ ہندوستانی بن گیا جس سے ہر
شریح کی اور کچھ دنوں کے بعد ابھی خاصی ترقی کر لی۔

محسن تھوڑے دنوں کے بعد ہزاروں مولشیوں کا مالک ہو گیا۔ اور اسے
گھی کے کارخانے سے ایسی ترقی ملی کہ اس وقت ہندوستان سے زیادہ حصہ اس
مالک ہے، غیر ملکوں کے کہی کو اس کے سامنے کوئی چھوٹا بھی نہیں۔ دیہات
آج وہ اسے اسکی عمت ہی بہت ابھی ہو گئی ہے۔ اسکی سادہ زندگی فیشن اور ظاہر
شان و شوکت سے پاک و صاف ہے۔ اور وہ ہر طرح اس قابل ہے کہ مادر وطن
ہو نہار فرزند کہا جائے۔

تمام شد

اطلاع

اگر آپ کو کتابین پڑھنے کا شوق ہے تو ایک کارڈ پر
اپنا پتہ لکھ کر بھیج دیئے ہر قسم کی علمی۔ ادبی اور تالیفی کتب
کی فہرست بلا قیمت حاضر خدمت ہوگی۔

پتہ

منیجر صدیق بڈپو۔ امین آباد۔ لکھنؤ

عمارات اور کھنڈرات میں قدم تقاسمی اور فن مصوری کے جو جو نمونے پائے جاتے ہیں انھیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہو کہ زمانہ گزشتہ میں کیسے کیسے ماہرین فن موجود تھے خود مذہب کے صد ہا گنبد اور منار وہاں موجود ہیں جنکے دیکھنے کے لیے امریکہ اور جرمنی تک کے لوگ آتے ہیں اور یہاں کے تاریخی حالات اور معلومات سے آلا مال ہو کر جاتے ہیں۔ اور انکی اشاعت کر کے لاکھوں روپیہ پیدا کرتے ہیں۔ جناب ارشد تھانوی نے وہاں کی سیر سے لطف اندوز ہو کر وہاں کے تاریخی حالات اور نقش و نگار کو اپنے مخصوص شاعرانہ انداز میں صفحات کا عدیر نمایاں کیا ہے۔ کتاب مصنف کی طبع از نظم اور تصاویر سے آراستہ ہے۔ کاغذ سفید عمدہ لکھائی چھپائی پسندیدہ قیمت ۸ ر

عیار فقیر

مکار حقیروں کی جالبازیان۔ ظلم و ستم اور داماریب کا بردہ فاش کیا گیا ہے۔ ان بد معاشوں کی جانوں سے محفوظ رہنے کے لیے اس کتاب کو ایک بار پڑھ جائیے۔ صبیحہ نامی ایک لڑکی کا ایک مکار فقیر کے دام قریب میں گرفتار ہونا۔ اور مصائب میں مبتلا ہونے پر بھی اپنی عصمت کی حفاظت کرنا۔ آخر کار ان بد معاشوں کا بھانڈا چھوٹنا۔ اور لڑکی کو نجات ملنا بہت ہی درد انگیز ناول ہے اسکی اشاعت سے مقصود صرف پیسہ کمانا نہیں ہے۔ بلکہ اہل ملک کو ان حرام خورون کی عیادوں سے باخبر کرنا ہے قیمت ۱۲ ر

حجاج بن یوسف

حجی زیدان اڈیر اللہ مال مصر کے ایک معرکہ آرا تاول کا ترجمہ حسین خلیفہ عبدالملک کی پالیسی حجاج بن یوسف کے مظالم حجاج اور عبداللہ ابن زبیر کا معرکہ۔ کعبہ کا محاصرہ۔ عبد اللہ ابن زبیر کی شہادت۔ خلافت کے مدعی اور انکے جوڑ توڑ۔ حسن نامی ایک لوحان کا عرب کی ایک مشہور لڑکی میر عاتق ہونا اور اس عشق کی بدولت طحرات میں مبتلا ہونا۔ جو دو معاملہ کے تذکرے۔ رزم و بزم کے سین۔ دیکھ بھال اور سلیس عبارت میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے دیکھنے سے اس زمانہ کے طریق جنگ اور رسم و رواج پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔ ترجمہ کی خوبی کے لیے سید بطور احمد ندوی سب ڈپٹی راجم کام نامی ہے۔ کاغذ سفید و غیر قیمت ۸ ر

پچھلے صدیق بک پرائیمن آباد لکھنؤ

مجموعہ کلام منظری

جناب مولانا مولوی شعیب احمد صاحب منظری۔ ایم اے علیگ کی قومی۔ اخلاقی اور سیاسی نظموں کا قابل قدر مجموعہ اگر شعاعی سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو اپنی قسم میں بے نظیر ہیں۔ الگ الگ کتاب کی صورت میں بھی ہونی رنگین و لہریں ٹائل سے مزین۔ ہر سہ کی کجائی قیمت ۶ ہر

اجتماع ضدین

جناب ارشد تھانوی کے قلم سے ایک اخلاقی مادل حکایات ست دلچسپ ہوئے علامہ جذبات فطرت سے معمور ہے عشق کی لگاؤ میں اور جن کی مسون ساریاں عجیب و غریب نڈاز میں انفاظ تیر و شتر کا اثر رکھتے ہیں کتاب کی ہر ہر سطح پر کچھ نہ کچھ دل آویزی رکھتی ہے اور ہر ہر جملہ میں کوئی نہ کوئی المیہ نئی تراش خراش ہے۔ یہ فسانہ اصلاح معاشرت کی غرض سے لکھا گیا ہے۔ اس میں سات زور دیا گیا ہے کہ اتحاد و خیال مرد و عورت کی آئینہ حوش حالی زندگی کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے لیکن والدین اکثر اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں اور غریب دو لہا دو بھن تمام عمر بدفرنگی سے گزارتے ہیں۔ تنادی کرنے سے بیشتر اگر اس کتاب پر نظر ڈالی جائے تو یقیناً پڑھنے والا نفع میں رہے گا۔

کمالی طربان اور کیا لحاظ خیالات کتاب ہر طرح قابل قدر ہے۔ لکھائی چھپائی دیدہ زیب اور ٹائل و لہریں قیمت ۶

محاصرہ پیرس

پیرس کا محاصرہ۔ اہل فرانس کا اندام رداخت۔ قیصر جرمن کی یوٹیکال چالیں۔ اور اس کا جواب اتحادیوں کی طرف سے عظیم پر محصورین کے جان توڑ حملے ہندوستانی انوار کی مدد اور اہل فرانس کی کھلم کھلا۔ جنگ یورپ کے حیرت انگیز حالات۔ جدید آلات جنگ کا استعمال پیرس کی تباہی تاریخ کی تاریخ قصہ کا قصہ۔ ایک عیسائی محبوبہ کا ہندو وطن پرستی۔ اور اس کے نتائج ست ہی دل آویز پیرایہ میں قیمت ۱۲